محدث

وداعیا الی اللہ باذنہ
وسراجا منیرا



مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن ۰ لاہور

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدّث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

مِلّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدّث** لاہور

(فون) صدر دفتر: ۳۵۴۲۵۰ | ذیلی دفتر: ۵۴۸۷۳

جلد ۷ | ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ | عدد ۴

فہرست مضامین

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   طابع: چودھری رشید احمد   مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴ شارع فاطمہ جناح، لاہور

زر سالانہ: ۱۵.۰۰ روپے   فی پرچہ ۱.۲۵ روپیہ

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو میں سے آخر ایک جیت ہی گیا

ان کے نام اسلام کا پیام

لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ

صحیح انتخابات وہ ہوتے ہیں جب لوگ آپ اپنی مرضی سے کسی کو انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن مغربی جمہوریت کے اس دورِ انتخاب میں تلوار کی نوک اور ڈنڈے کی چوٹ کے ذریعے لوگوں سے جبراً کہلوایا جاتا ہے کہ: کہو! میں اچھا، میری پارٹی اچھی، میرے امیدوار اچھے، میرا منشور اچھا۔

اگر کبھی بڑا اکرم کیا تو پھر دھونس اور دھاندلی کے بجائے سکوں کی کھنک، سونے کی چمک، اور مال و دھن کی دمک دکھا کر، للچا کر اور رِجھا کر عوام کے حلقوم سے اگلواتے ہیں کہ: نعرہ لگاؤ: کہ میرے جیسا جہاں میں کوئی اور نہیں، کہیں نہیں، کبھی نہیں!

اس سے بھی کام نہ چلا تو پھر قوم کو، پرائی نہیں، اپنی قوم کو اُلّو بناتے ہیں، اندھیرے میں رکھتے ہیں، سبز باغ دکھاتے ہیں، عوام اور خاص کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان کو بے قابو کر دیتے ہیں کہ وہ سیدھے سادے لوگ بول اٹھتے ہیں کہ: آہا! یہ کیسا عمدہ نجات دہندہ اللہ نے بھیجا ہے۔ لوگو! بس اس کا دامن تھام لو، اس کے پاؤں پکڑ لو، ان کی بلائیں لو!

بہرحال جوں توں کر کے جمہوریت کے یہ نام نہاد انتخابات آخر کوئی جیت ہی لیتا ہے۔ لیکن عموماً یہ انتخابات جیتنے والوں کے لیے بہت کم ہی مبارک ثابت ہوتے ہیں۔

انتخابات جیت لینا اصل میں ملکی اور ملّی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لیے ایک اجازت نامہ ہے، حقیقی جیت کا دارومدار دراصل انہی مفوضہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے پر ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی جماعتیں واضح اور بھاری اکثریت سے جیت جانے کے باوجود میدانِ عمل میں آکر جیتی ہوئی بازی ہار دیتی ہیں اور اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔

ایک تو یہ لوگ حقیقۃً اپنے دعووں میں مخلص نہیں ہوتے، باتیں کرتے ہیں کہ لوگوں کا اعتماد

حاصل ہو لیکن عوام ان کے سامنے نہیں ہوتے بلکہ اب بھی اپنا ذاتی مستقبل ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اس لیے اقتدار کا یہ سارا پیریڈ وہ ملکی استحکام کے بجائے اپنی کرسی کے استحکام کے لیے تج دیتے ہیں اور اس سودائے خام میں اس قدر وارفتہ ہو رہتے ہیں کہ اپنے سرپیر کا ہوش رہتا ہے نہ ملک وملت کا۔

دوسرا یہ کہ: انھوں نے لوگوں سے جیسے کہلوایا ہے، واقعۃً وہ ویسے ملک وملت کی قیادت اور امامت کے اہل نہیں ہوتے، اس لیے اگر وہ کچھ کرنا بھی چاہیں تو بھی یہ "جہانبانی" ان کے بس کا روگ نہیں ہوتی۔ بہرحال جو لوگ جس حال میں اور جس طرح مقام رفیع پر قابض ہو جاتے ہیں، پہلے ہی روز اسلام ان کے نام اپنے ازلی پیامات، ابدی پیغامات اور سرمدی الہامات کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے کہ اب آپ کی ذمہ داریوں کی نوعیت کیا ہے اور آپ اس وقت کس مقام پر کھڑے ہیں؟

سب سے پہلے اسلام ان سے جو بات کہتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیاست دین سے الگ کسی شے کا نام نہیں ہے۔ جو سیاست دین سے جدا ہو جاتی ہے وہ چنگیزیت ہو کر رہ جاتی ہے، سیاست نہیں! حضورؐ کا ارشاد ہے سیاست پہلے انبیاءؑ کے ہاتھ میں رہی اب (میرے) خلفاء کے ہاتھ میں رہے گی۔

قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون (صحیحین)

اس سے معلوم ہوا کہ سیاست، بے خدا لوگوں کی میراث نہیں ہے بلکہ پاک ہستیوں کی دنیا ہے، بلکہ شاطروں کی یہ واویلا کہ، علماء کو کیا لگے کہ وہ سیاست میں حصہ لیں، اصل میں ناسمجھی کی باتیں ہیں یا سیاست کو صلحاء سے خالی رکھنے کی ایک شاطرانہ سازش ہے۔

دوسرا یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ خلافت کا یہ مفہوم بھی غلط ہے کہ: انتخاب کے ذریعے جو حکومت تشکیل پاتی ہے، اسے خلافت کہتے ہیں، اصل میں خلافت پیغمبر کی جانشینی کا نام ہے، جو حکومت علی منہاج نبوت نظام سیاست کو برپا کرے گی، اسے خلافت کہا جائے گا، خواہ وہ آمرانہ طرز پر نمودار ہو یا انتخاب کے ذریعے۔ انتخاب مروجہ طریقوں پر ہو یا چند دیندار افراد کی کمیٹی کے ذریعے بروئے کار لائی جائے، اگر کسی مملکت کا بے خدا نظام مملکت عوام کی خواہشات پر مبنی ہو یا منتخب نمائندوں کی صوابدید کی اساس پر قائم ہو، وہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اسے اصطلاحی خلافت کہنا صحیح نہیں ہے۔ نہ اسے اصلی معنوں میں "خلیفہ" کہنا مناسب ہوتا ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران حضرت ابو بکرؓ،

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو نیک دل مزدوروں کی طرح کام کر رہے تھے، ان کو دیکھ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ھؤلاء ولاۃ الامر بعدی (البدایہ والنھایہ لابن کثیر)

"یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد حکومت کے وارث ہوں گے"

غرض یہ تھی کہ: میرے خلیفے صرف یہ لوگ، اور ان جیسے پاک باز لوگ ہوں گے اور اسے ہی خلافت کہا جائے گا، جس کے وارث ایسے باخدا اور مخلص حضرات ہوں گے جو مسجد نبوی کی طرح ملک و ملت کی تعمیر میں مصروف رہیں گے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے بھی ان قدسی صفات صحابہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (پ ۱۷۔ الحج ع ۶)

"یہ لوگ (ایسے ہیں کہ) کہ ہم انھیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ (بھلے ہی کام کریں گے) نمازیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کا (فریضہ) انجام دیں گے اور (انجام (سب) کا اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں:

یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد اور پر رونق ہو جائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں، بیت المال کے ہوتے کوئی ننگا بھوکا نہ رہنے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے، رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق، کوئی موقع، غیر کی تحقیر کا، ایذا کا باقی نہ رہ جائے، غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے خواب و خیال ہو جائیں، مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں، بنکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں، جوئیے اور ہجڑے اگر تائب نہ ہوں شہر بدر کر دیے جائیں۔ سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشا گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا دوبارہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔

اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ (اگر زمین میں ہم ان کو حکومت دے دیں) کہہ کر یہ بات بھی واضح فرما دی کہ: خدا کی عطا کردہ جو حکومت ہوتی ہے، وہ صرف خدا کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہے۔ ان الارض یرثھا عبادی الصلحون (پ ۱۷۔ الانبیا) اور جو حکمران اس کے برعکس چلتے ہیں وہ گویا کہ ملک اور

قوم کے چودھری ہوتے ہیں جو دھونس، دھاندلی یا فریب سے در آتے ہیں اور استحصالی ہتھکنڈوں کے ذریعے ملک پر قابض ہو جاتے ہیں، خواہ وہ بذریعہ انتخاب کیوں نہ آئے ہوں اسے اسلامی زبان میں ملک عضوض (جابر حکمران) کہا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی زبان میں یہ سٹیج خلافت کے بعد کی سٹیج ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

عالم اسلام میں حکومت کا آغاز نبوت اور رحمت کی شکل میں ہوا، اس کے بعد خلافت اور رحمت کے طور پر جاری رہے گی۔ پھر ملک عضوض (بیچیدہ حکمران) کا دور آئے گا۔ پھر جبر و استبداد اور فساد فی الارض کا نظام برپا ہوگا۔ جس میں عیاشی کی جائے گی۔

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ھذا الامر بدأ نبوۃ ورحمۃ ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ثم ملکا عضوضا ثم کائن جبریۃ وعتوا وفسادا فی الارض یستحلون الحریر والفروج ویرزقون علی ذلک وینصرون حتی یلقوا اللہ۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ: نبوی دور تو حضورؐ کی وفات پر ختم ہو گیا۔ خلافت کا وہ دور جس میں تلوار کا دخل نہیں رہا وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ کے ساتھ چل دیا۔ صرف خلافت (جس میں تلوار بھی میان سے نکل آئی) وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے ساتھ جاتا رہا۔ اور ملک عضوض بنو امیہ کے ساتھ صحابہ کے جھگڑوں سے شروع ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اختتام پذیر ہوا، جبر و استبداد عباسیہ مملکت کی سلطنت بنی، کیونکہ قیصر و کسریٰ کے رنگ میں انھوں نے بساط حکومت بچھائی۔

اقول فالنبوۃ انقضت بوفاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والخلافۃ التی لا سیف فیھا بمقتل عثمان والخلافۃ بشھادۃ علی کرم اللہ وجھہ وخلع الحسن رضی اللہ عنہ والملک العضوض مشاجرات الصحابۃ بنی امیۃ ومظالمھم الی ان استقر امر معاویۃ والجبریۃ والعتو خلافۃ بنی العباس فانھم مھدوھا علی رسوم کسریٰ وقیصر (حجۃ اللہ البالغۃ)

ملک عضوض کی تشریح میں شراح حدیث لکھتے ہیں کہ: ایسے بادشاہ جو کتے کی طرح ایک دوسرے کو کاٹنے کو دوڑیں۔

ای یعض بعض اھلہ بعضا کعض الکلاب (مشکوٰۃ بین السطور)

قیادت دراصل ملک و ملت کی خدمت کا ایک منفرد انداز ہے، ظاہر ہے کہ اسلام اور ملک و ملت کی خدمت کی ذمہ داری کا تاج پھولوں کا تاج نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ کانٹوں کی ایک سیج ہے،

جس کی وجہ سے چین و قرار روٹھ جاتے ہیں، ایسی صورت میں کوئی کاہے کو اس کے لیے بدحواس ہوگا اور کیوں وہ کسی کے گلے پڑے گا؟ چنانچہ پہلے روز ثقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کی ذمہ داری کی بات آئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کے لیے حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ کا نام نامی پیش کیا، ادھر حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ کو اظہار خیال کا موقعہ ملا تو انھوں نے اپنے بجائے حضرت ابوبکرؓ کا نام پیش کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (بخاری)

یہی کیفیت حضرت علیؓ کی تھی، تاریخ طبری سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس منصب کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری)

کیونکہ وہ امامت اور قیادت کی گرانبار ذمہ داریوں کی سنگینی سے بخوبی واقف تھے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ گو اس کا مزہ لذیذ ہے تاہم انجام ندامت ہے۔

ستکون ندامة یوم القیمة فنعم المرضعة و بئست الفاطمة (بخاری)

اس کے برعکس جو لوگ، مال و جاہ پر جان چھڑکتے ہیں، جن کے سامنے صرف اپنے نفس و طاغوت کی پوجا اور غلامی ہے اور جو ملک و ملت کی خدمت کے بجائے اسے دستر خوان سمجھ کر آگے بڑھتے ہیں وہ اقتدار کی ہڈی پر کتوں کی طرح جھپٹیں گے نہیں، تو اور کیا کریں گے؟ بس اسی ذہنیت کی نشاندہی کے لیے اقتدار کے ان لالچیوں کو "ملک عضوض" کہا گیا ہے۔ صدق اللہ و رسولہ۔

ملک کا لفظ پسندیدہ نہیں سمجھا گیا، کیونکہ ملِک خدا کا غلام بننے میں فخر محسوس نہیں کرتا بلکہ خدا بن کر رہے بغیر اس کی "انا" کی تسکین کے سامان نہیں ہوتے۔ اس لیے جب ایک شخص دور سے دیکھ کر کانپ گیا تو آپ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں! میں مَلِک (بادشاہ) نہیں ہوں۔

ھَوِّن علیك فانی لست بملِك (صحیح بخاری)

قرآن نے بھی آپ کے متعلق یہی کہا ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِجَبَّارٍ (ق)

صحابہؓ بھی اس کے تصور سے دہشت محسوس کرتے تھے چنانچہ سفیر روم مدینہ منورہ میں پہنچ کر جب لوگوں سے پوچھتا ہے کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ تو وہ بول اٹھے کہ ہمارا بادشاہ تو کوئی نہیں، ہاں ہمارا ایک امیر ضرور ہے۔

ما لنا مَلِك بل لنا امیر۔

شہنشاہ کا لقب اسلام میں بدترین جرأت ہے۔

اَخْنَى الاسماء ملك الاملاك شہنشاہ (بخاری)

کیونکہ یہ خدا کی شان ہے۔

مَلِكِ النَّاسِ (پ ۳۰- الناس)

قیامت میں ان جبابرہ اور جعلی شہنشاہوں کو خدا آواز دے گا کہ اب کہاں ہو؟

انا الملك این ملوك الارض (صحیحین)

انا الملك این الجبارون، این المتکبرون (مسلم)

اسی طرح اسلام نے سیاست کو جس طرح اسلامی معاشرہ کا ایک اہم باب قرار دیا ہے اسی طرح طرزِ جمہوریت کے لیے بھی ایک اچھوتا تصورِ جمہوریت پیش کیا ہے۔

عوام کی خواہشات پر مبنی حکومت، اسلام کی نگاہ میں جمہوریت نہیں ہے' حیوانیت ہے، بلکہ اسلام میں اس کے بنیادی عناصر یہ ہیں۔

قانون سے بالاتر کوئی نہیں، عوام اور خواص، رعایا او ر بادشاہ، سب یکساں ہیں۔ انسانی حقوق میں بھی سب یکساں ہیں۔ گورے اور کالے، عربی اور عجمی میں کوئی امتیاز نہیں۔ حکمران رعایا کا راہنما ہوتا ہے، مالک نہیں ہوتا، اس لیے اسے حکمران کے فیصلے اور تعامل کو چیلنج کرنے کا بھی حق حاصل ہوتا ہے۔

غیر منصوص امور میں یا منصوص امور کی تکمیل کے لیے طریق کار کے سلسلے میں شورائیہ (پارلیمنٹ) سے مشورہ لینا ان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اسلامی پارلیمنٹ کے افراد کے لیے "صالح اور اہل الرائے" ہونا ضروری ہے۔

یہاں "اکثریت" کی بنیاد پر فیصلے کی بات نہیں ہوتی، دلائل کی بنا پر ہوتی ہے۔

یہاں پر اپوزیشن کا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ پوری پارلیمنٹ میں ہر رکن اسمبلی حزب مخالف کا پارٹ ادا کرتا اور کر سکتا ہے۔ کیونکہ شورائیہ میں بات "سجھانے" کی غرض سے کی جاتی ہے اور دلائل کی بنیاد پر کی جاتی ہے، اس لیے سربراہ مملکت بھی کسی ایک شخص کی وزنی دلیل کی بنا پر اکثریت کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے۔

یہاں انتخابات پارٹی بیس پر نہیں لڑے جاتے اور نہ انتخاب کے اس مکارانہ انداز کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش ہوتی ہے۔ بلکہ سربراہِ مملکت، حسب ضرورت مشیروں کی ایک صالح اور اہلِ بصیرت ٹیم کا خود انتخاب کرتا ہے۔

سربراہِ مملکت سمیت تمام ارکانِ شورائیہ کتاب و سنت کے پابند ہوتے ہیں، ذہنًا اور عملًا بھی۔ ایسے صالح اور صاحبِ فراست حضرات کے لیے متعین میعاد کا تصور غلط اور بالکل غلط ہے۔ اس لیے انھیں اپنی کرسی کے بچانے اور استحکام کی فکر نہیں رہتی وہ یکسو ہو کر ملک و ملت کی خدمت اور دینِ حق کی نشر و اشاعت کے لیے ہمیشہ محنت کرتے ہیں، ہاں اگر وہ کفر کا ارتکاب کریں۔ غداری کے مرتکب ہوں یا اس کی وجہ سے اسلامی اخلاق اور مستقبل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کو علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ اسلامی جمہوریہ ہے جس کا اسلام احترام کرتا ہے۔

وقت کے حکمرانوں کے نام رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعوت نامے بھیجے تھے اور اسلامی سیاسیات کے سلسلے میں کچھ رہنما اصول اور مناسب امور کا بھی ان میں ذکر فرمایا ہے، یہاں پر ان کا ایک ملخص ان حضرات کی خدمت میں ہم پیش کرنا چاہتے ہیں، جو حالیہ انتخابات جیت کر بساطِ اقتدار پر تشریف فرما ہوئے ہیں۔

قیصرِ روم (ہرقل) کے نام جو دعوت نامہ بھیجا گیا تھا، اس میں ان سے ایک یہ بات کہی تھی کہ: اگر آپ نے اسلام قبول نہ کیا تو آپ کی دیکھا دیکھی جو عوام آپ کے پیچھے چلیں گے۔ ان کا وبال بھی آپ پر پڑے گا۔

فان تولیت فان علیک اثم الیریسیین (بخاری)

اسی طرح آپؐ نے خسرو پرویز بن ہرمز شاہ فارس کے نام بھی یہی تحریر فرمایا:

فان ابیت فان علیک اثم المجوس (نصب الرایہ للزیلعی)

اس لیے حکمرانوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ آج جو کچھ کریں گے اور کہیں گے اس کے جواب دہ بھی وہ خود ہوں گے اور جو عوام ان کے پھیرے میں آ جائیں گے، ان کے بدنتائج میں سے ان کو بھی وافر حصہ ملے گا۔

آخر میں قرآنی الفاظ میں یہ لکھا کہ: اللہ کے سوا عبادت اور غلامی اور کسی کی نہ کریں، نہ کسی شے کو اس کی جناب میں شریک بنائیں اور نہ ہی کوئی کسی کو اپنا رب بنائے۔

اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (بخاری)

رب بنانے کے معنی ہیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے حکموں کی سند دیکھے بغیر محض کسی فرد کی ذاتی صوابدید کو "دین" بنا لیا جائے اور اپنے کو اس کی غلامی میں دے کر یوں کھو جائے کہ ایمانی تحریک اور ضمیر دم بخود رہ جائیں۔ جیسا کہ آج کل حکمرانوں کے چمچوں اور کرچھوں کا حال ہے ——

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تلقین نے نوعِ انسانی کو انتہائی سربلند کر دیا ہے بشرطیکہ وہ اس کا احساس کریں۔ افسوس! آج کل پارٹی لیڈر اور سیاسی سربراہانِ مملکت کے ذیلی لوگ کچھ اسی قسم کے مرض میں مبتلا ہو رہے ہیں، جس سے سرکارِ مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں نجات دلانے کی کوشش فرمائی ہے۔

مقوقس کے نام بھی دعوت نامہ بھیجا اور یہ والا نامہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ لے کر گئے تھے، جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو شاہِ مصر کے سامنے یہ تقریر بھی کی۔

دیکھیے جناب! آپ سے پہلے بھی ایک شخص (فرعون) تھا جس نے یہ ڈینگ ماری تھی کہ وہ 'ربِّ اعلیٰ' ہے تو اس کو خدا نے دونوں جہان کے عذاب میں دھر پکڑا، اس سے بدلہ لیا اور اس کو سزا دی۔ سو آپ کے لیے یہی بہتر ہے کہ آپ دوسرے سے سبق لیں۔ اس کے بجائے کہ آپ کسی کے لیے سامانِ عبرت بنیں۔

اعلم انہ قد کان قبلک رجل زعم انہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولیٰ فانتقم بہ وانتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک (زاد المعاد و نصب الرایہ و سیرت حلبیہ)

بہرحال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفیر کی یہ تقریر انتہائی بصیرت افروز ہے۔ اس کے بعد بھی جن کی آنکھیں نہیں کھلتیں، یقیناً حالات اور نتائج کی ترشی سے ان کی آنکھیں ضرور کھل جائیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ بہرحال اس نے حضرت حاطبؓ کو ٹرخا کر واپس کر دیا، انھوں نے حضورؐ سے اس کی معذرتوں کی تفصیل ذکر کی تو آپؐ نے فرمایا: اس خبیث نے بادشاہت کی وجہ سے ایسا کیا ہے لیکن یہ بادشاہت بھی باقی نہیں رہے گی۔

فقال ضن الخبیث بملکہ ولا بقاء لملکہ (نصب الرایہ)

جو لوگ اپنے اقتدار کی خاطر اسلام کے مستقبل کو خطرے میں ڈالتے ہیں عموماً ان کا اپنا مستقبل خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

کسریٰ کے نام لکھا:

اَسْلِمْ تَسْلَمْ (نصب الرایہ)

"خدا کے حضور جھک جا، بچ رہے گا۔"

سلامتی کی راہ یہی ہے کہ، انسان خدا کے سامنے بندۂ بے دام بن جائے، ورنہ انجام بخیر مشکل ہے۔ اور حکمرانوں کی یہ کج روی پوری قوم کے لیے نحوست بن جاتی ہے۔

ایک دعوت نامہ کسریٰ کے نام بھی ارسال کیا تھا مگر اس بدنصیب نے اس کو پھاڑ ڈالا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں خود بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مرا، روایات میں آتا ہے کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو حکم دیا کہ العیاذ باللہ وہ حضورؐ کو گرفتار کر کے ان کے پاس بھیج دے۔ چنانچہ دو آدمی اس غرض کے لیے مدینہ منورہ پہنچے۔ فارسیوں جیسی ان کی وضع قطع اور تراش سے تھی، ڈاڑھی منڈی ہوئی، مونچھیں بڑھی ہوئیں، حضورؐ نے ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کیا، آپؐ نے ان سے کہا۔ تمہارا ناس ہو، اس وضع قطع کا تمہیں کس نے حکم دیا ہے؟ کہا، ہمارے رب (آقا) نے، آپؐ نے فرمایا مجھے تو میرے آقا (رب) نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترانے کا حکم دیا ہے۔

وکانا علی زی الفرس من حلق لحاھم و اعفاء شوا ربھم فکرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم النظر الیھما ثم قال ویلکما من امرکما بھذا قالا امرنا ربنا یعنیان کسری فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ولکن امرنی ربی باعفاء لحیتی وقص شاربی (سیرۃ طیبۃ ۲۷۶/۳)

غور فرمائیے! یہ غیر مسلم سفیروں کے سلسلے کی بات ہے، کیا حضورؐ اپنی امت کے ڈاڑھی منڈے حکمرانوں، سفیروں، حکام اور رہنماؤں کو دیکھنا پسند کرتے یا اگلے جہان ان کو دیکھنا پسند کریں گے؟

حضورؐ نے ایک دعوت نامہ یمامہ کے رئیس ہوذہ کے نام بھی ارسال فرمایا تھا کہ: خدا کے حضور جھک کر محفوظ ہو جا، جو کچھ تیرے پاس ہے تیرے ہی پاس رہے گا۔

اسلم تسلم واجعل لک ما تحت یدیک (زیلعی وابن القیم) مگر اس کمبخت کو ایمان کے بجائے سودے کی سوجھی کہ میرے ساتھ اقتدار کا کچھ حصہ طے کر لیجیے! آپ کے پیچھے چل پڑوں گا۔

فاجعل الی بعض الامر اتبعک (زیلعی وابن القیم)

حضورؐ نے فرمایا کہ تباہ ہوا آپ بھی اور اس کی سیادت بھی۔

باد و باد ما فی یدیہ (ایضاً)

افسوس! اسمبلی ہال میں قدم رکھتے ہی عموماً کچھ اسی قسم کے سودے ہی شروع ہو جاتے ہیں جن کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں رہتا۔ مگر لوگ عبرت بہت کم پکڑتے ہیں۔ انا للہ۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی حکمران، خدا کی عبدیت اختیار کر لے تو اس کا اقتدار اس کے پاس رہنے دینا چاہیے! چنانچہ عمان کے ارباب اقتدار جیفر اور عبد دونوں کے ساتھ ایسا ہی وعدہ کیا گیا، جو پورا بھی کیا گیا۔

ان اقررتما ولیتکما ...... فاسلم تسلم ویستعملک علی قومکما (حلبی)

غسانی سے بھی یہی فرمایا: میں آپ کو ایمان کی طرف دعوت دیتا ہوں، آپ کی بادشاہت آپ کے پاس رہے گی۔

انی ادعوك ان تومن بالله وحده لا شريك له يبقى لك ملكك (نصب الرايه وزاد المعاد)

مگر اس پر وہ خفا ہوا اور بولا کہ کون میرا ملک مجھ سے چھین سکتا ہے۔ میں اس کا مقابلہ کروں گا یمن میں جا کر بھی پناہ لی تو وہاں سے بھی اسے گرفتار کر کے لاؤں گا۔

فقرأه ثم رمى به وقال من ينزع مني ملكي وانا سائر اليه ولو كان باليمن جئته على بالناس (نصب الرايه وزاد المعاد وسيرت طيبه)

حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا: اس کی سلطنت تباہ و برباد ہوئی۔

باد ملكه (نصب الرايه)

چنانچہ ۶۳۶ھ میں غسانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بہر حال جو لوگ اپنے اقتدار اور کرسی کے تحفظ کے لیے اسلام اور اس کی اطاعت سے اعراض کرتے ہیں، ان کا بہر حال انجام رسوائی اور ناکامی کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اعراض کی یہ نحوست حکمرانوں، نوابوں، با اثر جاگیرداروں اور رؤسا کو بالخصوص جلدی گھیر لیتی ہے اور وہ سامانِ عبرت بن کر جہانِ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور یہی کچھ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس لیے اربابِ اقتدار اور ان کے حواریوں کو چاہیے کہ غفلت میں نہ رہیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اس کی افتاد ان پر آ پڑے۔

سرداران ایلہ کے نام خط میں تحریر فرمایا: کہ اگر خشکی اور تری (بحر و بر) میں امن چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

فان اردتمان يامن البر والبحر فاطع الله ورسوله (بلاغ المبين)

چنانچہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جزیہ دے کر اطاعت کا عہد کیا اور بچ گیا۔

دنیا میں امن اور طمانیت، دار و گیر، پکڑ دھکڑ، رعب و داب، کرو فر اور جنگ و جدال سے حاصل نہیں ہو سکتے، ان کا علاج یہ ہے کہ: دنیا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا عہد کرے، ورنہ بحر و بر میں فساد اور تخریب کی پتنگیں اور بڑھیں گی اور بڑھ کر دنیا کے امن و سکون کو غارت کر کے رکھ دیں گی۔ جیسا کہ آپ حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ہجر کا رئیس اسیخت تھا۔ دعوت نامہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا تھا، آپ نے اس کو لکھا تھا: میں آپ کو اللہ سے وابستہ رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہونا اور راہ راست

پا لینے کے بعد بھٹک نہ جانا۔

اما بعد فانی اوصیکم باللہ و بانفسکم ان لا تضلوا بعد ان ھدیتم ولا تغوو ابعد ان رشدتم (ابن سعد)

مقصد یہ ہے کہ: کلمہ پڑھ لینے کے بعد کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور اپنی زندگی پر اس کو جاری و ساری رکھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ مسلمان کہلانے کے بعد بے عملی یا بد عملی مسلمانی کو داغدار کر دیتی ہے اور اسلام کی برکات کے راستہ میں حائل ہو جاتی ہے بلکہ مسلمانی بدنام ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے اسلام کے سلسلے میں بدگمانیاں زور پکڑ جاتی ہیں۔ اور یہ وہ معصیت ہے، جو انسان کی دنیا اور آخرت کو لے ڈوبتی ہے۔

اطراف عالم کے شاہانِ وقت کو یہ والا نامے اور دعوت نامے آپ نے اس وقت بھیجے جب صلح حدیبیہ (۶ھ) کے بعد ایک حد تک عرب کو رام کر لیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سربراہانِ مملکت، جب اقتدار کی گدی پر فائز ہو جاتے ہیں، ان پر یہ فرض بھی عائد ہو جاتا ہے کہ سرکاری سطح پر غیر مسلم حکمرانوں اور ان کی وساطت سے ان کے عوام کو "اسلام" کی طرف دعوت دینا بھی ان کا سرکاری فریضہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہ کام ہے، جس کے اختیار کرنے میں بین الاقوامی قوانین حائل نہیں ہوتے۔ ہاں اس میں صرف اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ:

جس اسلام کی طرف دعوت دی ہے، داعی کا خود اپنا ملک اور اس کے سربراہ کی زندگی بھی اس کا نمونہ پیش کرتی ہو۔ اگر وہ خود ننگِ دین ہوں گے تو تبلیغِ دین کی مزید بدنامی کا باعث بنے گی۔

مگر افسوس! عرصہ دراز سے مسلمان حکومتیں اس سلسلے میں مجرمانہ غفلت کی مرتکب ہوتی آرہی ہیں۔ جس کے دو نقصان برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ ایک یہ کہ: وہ خود اسلام اور اسلامی کردار کی توفیق سے محروم ہو گئے ہیں، دوسرا یہ کہ مسلم دنیا کی توسیع کا پروگرام نہ صرف رک گیا ہے بلکہ سمٹنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ کیا خدا داد مملکتِ پاکستان کے سربراہانِ مملکت اس سنت کے احیاء کے لیے بھی اپنے اندر کوئی داعیہ اور تحریک محسوس کرتے ہیں۔ کیا مستقبل میں اس کی ان سے کچھ توقع کی جاسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اب تمہاری باری ہے، دیکھیے: کیا چاند چڑھتا ہے۔

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

الکتاب والحکمۃ

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

ملکیّتِ زمین

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ (پ ۹۔ اعراف ع ۱۵)

"زمین اللہ ہی کی ہے۔"

کیونکہ وہ اس کا خالق اور مالک ہے اور پوری طرح وہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی مرضی اور منشا کے سامنے عاجز اور تابع فرمان ہے۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ (پ ۲۴۔ حم السجدہ ع ۲)

"تو اس (کبر) کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں (میرے حضور لگے) آؤ! خوشی خوشی یا زبردستی (بہرحال آنا ہوگا) دونوں نے عرض کیا کہ (حضور) ہم خوشی سے حاضر ہیں۔"

زمین اللہ کی ملکیت ہے، یہ قید احترازی نہیں، اتفاقی ہے، کیونکہ جو بھی شے ہے، سب اس کی ملکیت اور غلام ہے "شے" کا مفہوم ہی یہ ہے کہ: وہ چیز جس کا وجود اور ظہور کسی برتر ہستی کی مشیت کا تقاضا ہو۔

جو سوشلسٹ ٹولہ، خدا کی ہستی کا قائل نہیں ہے، وہی اس آیت کو پیش کر کے بندگانِ خدا کی "عدم ملکیت زمین" کا اثبات کرتا ہے۔ دراصل یہ وہ لالچی اور دوں ہمت "اباحی" ٹولہ ہے، جو چاہتا ہے: کہ کسی روک ٹوک کے بغیر ہر شے کا مزہ چکھے، جو خود کمایا اس کا بھی اور جو کسی نے کمایا اس کا بھی ۔۔۔ انھوں نے "فکر و نظر اور علم و ہوش" سے معیارِ فضیلت چھین کر "ہتھوڑے اور درانتی کھینچنے والے ہاتھوں" کو تھما دیا ہے، گویا کہ ان کے نزدیک انسان سے حیوان افضل ہے، ہل چلانے والے کی بہ نسبت بیل برتر ہے۔

خدا کی ملکیت صرف زمین تک محدود نہیں، ذرہ ذرہ پر اس کی حکومت حاوی ہے تو کیا کچھ بھی انسان کی ملک میں نہ رہے؟ تنور سے آپ جو روٹی لاتے ہیں اور دکان سے جو دال خرید کر کھاتے ہیں، آپ اگر اس کے پسِ منظر پر نظر ڈالیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں کہ روٹی اور دال بننے تک کتنی قدرتی اور غیر قدرتی طاقتوں نے اپنی توانائیاں کھپا کر ان کو جنم دیا تب

جاکر کہیں وہ آپ کے منہ کا تر نوالہ بنیں۔ تو پھر محض دو ٹکے دے کر آپ ان کے مالک کیسے بن گئے۔ کوئی زور آور اگر آپ سے چھین کر لے اڑا لے تو دوسرے کے لیے وہ آخر کیوں ناجائز قرار پائے؟

دراصل ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہاتھ دوسرے کے مال میں ہوتا ہے، اگر وہی ہاتھ ان کے مال میں جا پڑیں تو یقیناً وہ ایسی اباحی باتیں نہ کریں اور نہ پھر کسی کی ملکیت کی حکمتیں اور فلسفے اگلنے لگیں۔

یہ زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ اس نے خود ہی ابن آدم کو اس پر بسایا ہے اور اسے یہ حق دیا ہے کہ وہ اس سے استفادہ کرے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (پ ۱۔ بقرہ ع ۴)

"اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔"

یہ قیام اور برتنا جانوروں جیسا نہیں ہے کہ جہاں سے چاہا اور جتنا چاہا کھا پی لیا، کیونکہ اس طرح تو انسان کی زندگی "تصادم" سے عبارت بن جاتی، طاقتور کمزور کو جھٹکا کر چھا جاتا، اس سے جو طاقتور ہوتا وہ اسے مار بھگاتا، بس شب و روز اسی لتاڑ پچھاڑ میں گزر جاتے۔ یہ جینا انسان کے لیے دوبھر ہو جاتا۔

منکر خدا سوشلسٹ کے لیے بھی آج اس فلسفہ کو قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایسے فلسفے پر زندگی کی تخریب تو ممکن ہے تعمیر ناممکن ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جس کو ہر انسان محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن سیاسی شاطروں نے عوام کو گرما کر ان کی مقید محنتوں کی بنیادوں پر اپنی بے قید عشرتوں کے محل اور عشرت کدے تیار کر ڈالے ہیں مگر عوام ان جیب کترے شاطروں کو سمجھنے سے اب بھی قاصر ہیں — آج جوان کے خواص کو آرام، چین اور وسائل زیست مہیا ہیں اور مزدوروں کے خون پسینہ کی کمائی کے نتیجے میں مہیا ہیں وہ ان عوام اور مزدوروں کو خوابوں میں بھی نظر نہیں آسکتے — عوام کالانعام ہوتے ہیں جو موہوم امیدوں پر نقد بھی ہار بیٹھتے ہیں۔ آج وہ سبز باغوں کے افسانے سن سن کر دل کو بہلاتے ہیں اگر افسوس پہلے سے زیادہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں، جو آتا ہے انھیں استعمال کرتا ہے اور یہ استعمال ہوتے آرہے ہیں۔ اور استعمال ہو کر شیخ چلی کی طرح سوچنے لگ جاتے ہیں کہ کل جب اٹھیں گے تو اس کے عوض صبح کو ان کے دروازے پر ایک کار کھڑی ہوگی، ایک محل میں آنکھیں کھلیں گی، عیش و عشرت کے سامان دست بستہ کھڑے ہوں گے اور یہ راج دلارے شاہزادوں جیسی زندگی گزاریں گے

— مگر جب آنکھ کھلی تو یار دوستوں نے کہا کہ: چلیے صاحب! یہ درانتی اور یہ پھاوڑا اور کدال پکڑیے! اور اتنے گھنٹے جبت کو کام کیجیے۔ تنہا تم نہیں، اپنی بیوی، معصوم بچے بوڑھے ماں باپ کو بھی

ہانک کرلے جائیے! اگر ان کو کھانا ہے تو کمانا بھی چاہیے! ہاں شیر خوار بچوں کو ہسپتال چھوڑ جائیے وہاں ان کی دیکھ بھال ہوگی — یہ وہ حیوانیت ہے جو حیوانوں کے لیے بھی قابلِ برداشت نہیں۔ جو کتیا بچے دیتی ہے وہ بھی یہ برداشت نہیں کرتی کہ کوئی اس کے بچے اس سے چھین کر لے جائے، چہ جائیکہ وہ خود جا کر اس کے حوالے بھی کر آئے۔

بہرحال یہ اللہ کی زمین ہے جس سے استفادہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نیچے بچھا دیا ہے۔ چنانچہ انسانوں نے حسبِ صلاحیت اس سے کام لیا ہے، لے رہے ہیں اور لیتے جائیں گے۔ اس سے پانی نکالا، تیل کشید کیا، کوئلہ، چاندی، سونا اور دوسری مختلف دھاتیں اور گیسیں برآمد کیں۔ کسی نے خوشگوار جھنے پر ڈیرے ڈالے، بعض نے زرخیز زمینوں کو حاصل کیا۔ کسی جگہ کسی نے جھونپڑا بنایا، کسی نے کوٹھا اور کسی نے ایوانِ شاہی اور فلک بوس محلات تعمیر کیے!

الغرض جو جس سے بن پڑا، کیا! اور دنیا نے اس کی تخلیقات کا احترام اور اعتراف کیا۔ اب کچھ عرصے سے زمین کے سلسلے میں تو باتیں چل نکلی ہیں لیکن دوسرے دائروں میں پوری طرح خاموشی طاری ہے۔ یہ کبھی سوال نہیں اٹھایا گیا کہ بعض لوگوں کے پاس وسیع اور عریض کوٹھیاں کیوں ہیں، جس کوٹھی میں پندرہ کنبے سر چھپا سکتے ہیں، وہ کسی فردِ واحد کے پاس کیوں ہے؟ کو سیجن اتنی بڑی عمارت کو کیا کرے گا، جہاں ایک شخص کو زہرہ گداز محنت کرنے کے بعد قوت لایموت حاصل ہوتی ہے وہاں فلاں حکمران کو ہزاروں شاہی نخروں کے علاوہ انواع واقسام کے کھانے، کپڑے، سواری اور دوسرے سامان عیش کیوں میسر ہیں —؟ ہاں جب بات یہ چلی کہ: فلاں شخص حکومت کرتا ہے اور ہم اس کی نوکری کرتے ہیں، تو قومی نمائندوں کا فریب دے کر جمہوریت کی شراب سے لوگوں کو بے خود کر ڈالے، اب وہ سمجھنے لگے کہ گویا ہم بھی حکمران ہیں۔ حالانکہ جو حکمران ہے وہی حکمران ہے، دوسرے سو کہیں کہ ہم بھی حکمران ہیں مجذوب کی بڑ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

ہمارے نقطۂ نظر سے جس طرح زندگی کی دوسری کمائیوں کا مالک کمانے والا آپ ہوتا ہے، وہ کمائی اس کی ضروریات سے وافر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح زمین بھی اگر جائز طریقے سے حاصل کردہ ہے تو وہ بھی خواہ کتنی ہو، اس کا وہ جائز مالک ہے، خود کاشت کرے یا کسی سے کرائے۔ وہ ہر طرح کا اختیار رکھتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا

خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۔ (الکہف ع ۵)

"(اے اللہ کے رسولؐ!) آپ ان لوگوں سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کریں، جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے اور ہم نے ان کے گرداگرد کھجور کے درخت لگا رکھے تھے اور ہم نے دونوں (باغوں) کے بیچ بیچ میں کھیتی (بھی) لگا رکھی تھی، دونوں باغ اپنے پھل (خوب) لائے اور پھل (لانے) میں کسی طرح کی کمی نہ کی اور دونوں باغوں کے درمیان ہم نے نہر بھی جاری کر رکھی تھی، تو باغوں کے مالک کے پاس (ہمہ وقت طرح طرح کی) پیداوار موجود رہتی تھی۔"

ان آیات میں جن دو باغوں کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی مرلے مرلے کی کوئی کیاری نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں کے درمیان قابلِ زراعت زمین بھی باقی تھی، اور ان کے درمیان نہر بھی چلتی تھی —— درمیان میں نہر کے جاری ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کافی اور وافر رقبہ تھا جو فردِ واحد کی خود کاشت سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے، ایسے رقبہ کے متعلق فرمایا کہ: یہ خدا نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ گویا کہ وہ اس کی جائز ملکیت تھی، قابلِ زراعت وہ رقبہ گو ذاتی ضروریات سے زیادہ تھا تاہم اس کا مالک فردِ واحد تھا اور اسے جائز مالک تصور کیا گیا ہے۔

الحدیث والسنۃ

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

خود کاشت سے وافر زمین کاشت پر دی جا سکتی ہے

عَنِ ابْنِ عُمَر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ علیہ وسلم اَقْطَعَ لِلزُّبَیْرِ حُضْرَ فَرَسِہٖ فَاَجْرٰی فَرَسَہٗ حَتّٰی قَامَ ثُمَّ رَمٰی بِسَوْطِہٖ فَقَالَ اَعْطُوْہُ مِنْ حَیْثُ بَلَغَ السَّوْطُ

(رواہ ابو داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ، باب اقطاع الارضین وفیہ عبد اللہ بن عمر بن حفص وفیہ مقال)

حضرت زبیرؓ کو جاگیر عطا کی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبیرؓ کو جاگیر عطا کی۔ جہاں تک اس کا گھوڑا دوڑ سکے، چنانچہ انھوں نے گھوڑا دوڑایا، یہاں تک کہ وہ جا کر کھڑا ہو گیا، اور رک کر انھوں نے اپنا ہنٹر چلا کر پھینکا، اس پر آپؐ نے فرمایا کہ جہاں تک ان کا کوڑا پہنچا ہے وہاں تک اسے دو۔

گو اس کا ایک راوی متکلم فیہ ہے لیکن دوسرے شواہد سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، جیسا کہ عنقریب آپ ملاحظہ فرمائیں گے، بہر حال اس وسیع اور عریض جاگیر کے عطیہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زمین کے اتنے بڑے رقبے کی آبادی کسی فرد واحد کے بس کا روگ نہیں ہو سکتی۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ دوسرے کو حصے پر دے کر ہی اس کو قابل کاشت رکھ سکیں گے۔ فہو المدعیٰ۔

قُتِلَ الزُّبَیْرُ وَلَمْ یَدَعْ دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا اِلَّا اَرْضِیْنَ مِنْھَا الْغَابَۃُ وَاِحْدٰی عَشْرَۃَ دَارًا بِالْمَدِیْنَۃِ وَدَارَیْنِ بِالْبَصْرَۃِ وَدَارًا بِالْکُوْفَۃِ وَدَارًا بِمِصْرَ..... وَکَانَ الزُّبَیْرُ اشْتَرَی الْغَابَۃَ بِسَبْعِیْنَ وَمِائَۃَ اَلْفٍ (رواہ البخاری باب برکۃ الغازی فی مالہ حیا ومیتا مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وولاۃ الامر، کتاب فرض الخمس)

حضرت زبیرؓ شہید ہو گئے، اور کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا، سوائے زمینوں کے، ان میں سے غابہ کی زمین تھی، مدینہ (منورہ) میں گیارہ، بصرہ میں دو، کوفہ میں ایک اور مصر میں ایک مکان تھا..... حضرت زبیرؓ نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار کے عوض خریدا تھا" (بخاری)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زبیرؓ کی جو زمینیں تھیں، غابہ کی زمین ان میں سے ایک

تھی۔ پھر مکانوں کی اتنی بھرمار، ظاہر ہے سب میں ایک ساتھ ان کے لیے رہنا ناممکن تھا۔ آخر یہ سب چیزیں کاشت اور کرایہ پر دی ہوں گی۔ زمینوں اور مال و جائداد کا یہ عالم تمام صحابہؓ اور خلفاء کے سامنے تھا، لیکن للچائی ہوئی نگاہ کسی کی بھی اس کی طرف نہیں اٹھتی تھی۔ غابہ کی زمین کا جو رقبہ حضرت زبیرؓ کے پاس تھا، اس کے کئی حصے تھے، حضرت ابن زبیرؓ پر حضرت عبداللہ بن جعفر کا چار لاکھ کا قرضہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس کے عوض زمین کا ایک قطعہ الگ کر دو، ان سے کہا گیا کہ یہاں سے لے کر وہاں تک آپ کا، اس کے بعد باقی ۴½ حصے ایک ایک لاکھ کو فروخت ہوئے

قال فاقطعوا الى قطعة فقال عبد الله لك من ههنا الى ههنا ...... وبقى منها اربعة اسهم ونصف، فقدم على معاوية وعنده عمرو بن عثمان والمنذر بن الزبير وابن زمعة فقال له معاوية كم قومت الغابة قال كل سهم مائة الف قال كم بقى قال اربعة اسهم ونصف

(رواه البخاری باب مذکور)

غور فرمائیے! یہ وہ زمین تھی جس کے حضرت زبیرؓ تنہا مالک تھے، وہ ٹریکٹر کا مشینی دور بھی نہ تھا۔ کیا اتنی بڑی زمین وہ خود کاشت کرتے ہوں گے یا حصے پر دے کر کام چلاتے ہوں گے؟ خود اندازہ فرما لیں۔ یہ باتیں عظیم صحابہ کی موجودگی کی ہیں۔

عن علقمة بن وائل يحدث عن ابيه ان النبی صلى الله تعالى عليه وسلم: اَقْطَعَهٗ اَرْضًا بِحَضْرَمَوْتَ قَالَ مَحْمُوْدٌ وثنا النضر عن شعبة وَزَادَ فِيْهِ: بَعَثَ مَعَهٗ مُعَاوِيَةَ لِيُقْطِعَهَا اياه (رواه الترمذی وقال: هذا حديث حسن صحيح)

حضرت وائلؓ کو بھی عطا فرمائی۔ "حضرت علقمہؓ اپنے والد حضرت وائلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضر موت میں ان کو ایک جاگیر عطا فرمائی تھی اور حضرت معاویہؓ کو اس کا قبضہ دلانے کے لیے ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔"

اتنی بڑی زمین بہرحال خود کاشت کرنے سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے دوسرے کو کاشت پر دیے بغیر گزارہ مشکل ہوتا ہے۔ اگر یہ بات نہ جائز ہوتی تو پھر اتنی بڑی جاگیریں حوالے کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ امام ترمذی حدیث مذکور کے بعد لکھتے ہیں کہ:

تمام اہل علم حضرات، حضورؐ کے صحابہؓ اور ان کے بعد کے بزرگوں کا اسی حدیث پر عمل ہے، وہ سربراہِ مملکت کے لیے یہ بات جائز تصور کرتے ہیں کہ وہ جس کو مناسب تصور کرے جاگیر عطا کرے۔

والعمل علی ما عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ فی القطائع یرون جائزا ان یقطع الامام لمن رای ذلک (سنن ترمذی)

حضرت ابن عوفؓ اور عمرؓ کو عطا فرمائی - قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ قَالَ: اَقْطَعَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَرْضَ كَذَا وَكَذَا الحدیث (رواہ احمد)

حضرت عُروہؓ فرماتے ہیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بتایا کہ مجھے اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کو حضورؐ نے فلاں فلاں جاگیر عطا فرمائی تھی۔

حضورؐ نے سمندر سے لے کر قدس کی پہاڑیوں تک (جو مدینہ منورہ کے قریب) کی ساری کانیں اور قابل زراعت زمین تھی حضرت بلالؓ بن حارث مزنی کو عطا کر دی تھی، اور وہ اس قدر وسیع رقبہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے عہد تک وہ اسے کما حقہ آباد نہ کر سکے تھے۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقطع بلال بن الحارث المزنی معادن القبلیۃ من القدس جلسیّھا وغوریھا وحیث یزرع ولم یعطہ حق مسلم (رواہ ابوداؤد باب اقطاع الارضین)

حضورؐ نے اس کے لیے باقاعدہ دستاویز لکھ کر اس کے حوالے فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما اعطی محمد رسول اللہ بلال بن الحارث المزنی اعطاہ معادن القبلیۃ جلسیھا وغوریھا قال ابن النضر وجرسیھا وذات النصب، ثم اتفقا: وحیث یصلح الزرع من قدس ولم یعط بلال بن الحارث حق مسلم ..... زاد ابن النضر: وکتب ابی بن کعب (رواہ ابوداؤد باب اقطاع الارضین)

پہاڑی اور نشیبی اراضی کے وہ سارے رقبے جو سمندر سے مدینہ منورہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جرسی اور نصب کے علاقوں کی ساری زمین ان کے حوالے فرمائی۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اتنا بڑا رقبہ خود کاشت سے کہیں زائد ہے، آخر اس کو آباد کرنے کے لیے ٹھیکے یا حصے پر دینے کے بغیر اور کیا چارہ کار ہو سکتا ہے؟ شکیب ارسلان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو طائف میں انگوروں کا ایسا باغ عنایت فرمایا تھا جس میں سہارے کے لیے جو لکڑی لگائی گئی تھی اس کی تعداد دس لاکھ تھی (الارتسامات للارسلان) کیا اتنی بڑی زمین کی آبادی کسی فردِ واحد کے لیے ممکن ہے؟

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عیینہ اور حضرت اقرع

کو لکھ کر جاگیر عطا کی مگر حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اسے مٹا دیا کہ پہلے چونکہ آپ کمزور تھے، آپ کی تالیف قلب کی جاتی تھی، اب آپ طاقتور ہو گئے ہیں، جاؤ میرے خلاف جو کر سکتے ہو کر گزرو، اگر میں تم پر ترس کروں، اللہ تم پر ترس کرے۔

فلما سمع عمر ما فی الکتاب، تناوله من ایدیهما، ثم تفل فیه فمحاه فتذمرا و قالا له مقالة سیئة فقال: ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یتألفکما والاسلام یومئذ قلیل وان الله قد اعز الاسلام فاذهبا فاجهدا علی جهدکما لا ارعی الله علیکما ان ارعیتما (المطالب العالیه باب الوزراء)

اس کا تعلق مزارعت سے نہیں ہے۔ اس میں صرف اتنی بات بتائی گئی ہے کہ ضرورت نہ رہے تو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بات تو یہ ہے کہ جن کو جاگیریں دی گئیں، انھوں نے ساری خود کاشت نہیں کی تھیں اور نہ یہ ممکن تھا بلکہ دوسروں کو حصے پر دے کر کاشت کراتے اور یہ جائز تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وجہ بیان فرمائی ہے، وہ ان کی ایک رائے ہے جو خود ان کے اپنے تعامل سے مختلف ہے۔ وہ خود دیتے رہے تھے۔

ان عمر بن الخطاب اقطع العقیق اجمع للناس (کتاب الخراج لابی یوسف فصل فی ذکر القطائع)

کنز العمال کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن حسن فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے ان کو ینبع کا علاقہ عطا کیا تھا

عن عبد الله بن الحسن: ان علیا سأل عمر الخطاب فاقطعه ینبع (کنز العمال)

حاجی جانتے ہیں کہ ینبع کا علاقہ بہت بڑا علاقہ ہے۔ اس کی زمین حضرت علیؓ تنہا آباد کریں، مشکل ہے۔

حضرت عمرؓ جن کو زمین عطا کرتے، وہ فارس کی مفتوحہ زمینوں سے دیا کرتے تھے۔

فکان عمر یقطع هذه لمن اقطع (کتاب الخراج)

حضرت عمرؓ کا وہ دور تھا جس میں احتیاج اور ضرورت اور تالیف کی وہ بات نہیں تھی، جس کا انھوں نے ذکر کیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک جزوی واقعہ تھا، جس میں کچھ اور موانع ان کے سامنے آ گئے تھے۔

خود حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہرات کو اس کا حق دیا تھا کہ وہ چاہیں تو جاگیر لے سکتی ہیں یا

رقم۔ حضرت عائشہؓ نے زمین پسند کی تھی۔

فَقَسَمَ عُمَرُ خَيْبَرَ فَخَيَّرَ ازواج النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَنْ يَّقْطَعَ لَهُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْاَرْضِ اَوْ يُمْضِيَ لَهُنَّ فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْاَرْضَ وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْوَسْقَ كَانَتْ عَائِشَةُ اخْتَارَتِ الْاَرْضَ (بخاری)

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد میں پانچ صحابہ کو جاگیریں عطا کی تھیں۔

قال موسى بن طلحة: اقطع عثمان لخمسة من اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعبد الله ولسعد وللزبير (ولخباب) ولاسامة بن زيد فكان جاراي عبد الله وسعد يعطيان ارضهما بالثلث (رواه عبد الرزاق باب المزارعة)

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عَامَلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ (بخاری باب المزارعة بالشطر)

حضورؐ نے حصے پر زمین دی۔ حضورؐ نے یہود خیبر سے اس کے پھل اور اناج کی پیداوار کے آدھے حصے پر معاملہ کیا۔

خراج مقاسمہ: جو بزرگ بٹائی اور حصے پر زمین دینے کے حق میں نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ خیبر کا یہ معاملہ دراصل بٹائی والا معاملہ نہیں ہے۔ خراج مقاسمہ کی بات ہے۔ یعنی سرکار نے پیداوار کا کچھ حصہ مقرر کر کے ان سے سرکاری لگان طے فرمائی ہے اور یہ سب کچھ محض از راہ کرم کیا تھا ورنہ چاہتے تو ساری پیداوار ہی ان سے وصول کر لیتے۔

ومعاملة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اهل خيبر كان خراج مقاسمة بطريق المن والصلح (هدایہ کتاب المزارعة جلد ۴)

خراج مقاسمہ: یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک سالانہ ٹیکس دوسرا پیداوار میں سے کچھ حصہ (زیلعی)، احناف کے نزدیک خیبر کا معاملہ مؤخر الذکر کی ایک صورت ہے، مگر یہ سورت "قفیز الطحان" کی نہ سہی، تاہم اس کی روح اس میں موجود ہے یا مجہول اور معدوم ہونا ـــ اور اس سے خلاص مشکل ہے۔ الّا بحیلۃ۔

ولانه استيجار ببعض ما يخرج من عمله فيكون في معنى قفيز الطحان ولان الاجر مجهول او معدوم وكل ذلك مفسد (هداية ايضاً)

وقال التهانوي في اعلاء السنن: وتاويله بخراج المقاسمة ونحوه لا يخلو من تمحل مستغنى

عند (اعلاء السنن) قال محشیہ: وقول بعض الاحباب انہ محمول علی التبرع من الجانبین لیس من التاویل فی شیء بل ھو کتحریف الکلام لا یتحملہ نص الحدیث ولا سیاقہ والنظر انتھی۔

زمین اہل خیبر کی ملکیت ہو یا سرکار کی، بہر حال جو معاملہ طے ہوا ہے وہ پیداوار کی بٹائی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بٹائی پر دینا جائز ہے۔ جن روایات میں "مزارعت" کی منع آئی ہے، وہ مجمل ہیں یا مفصل ہیں۔ جو مجمل ہیں وہ مفصل کے آئینے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مفصل روایات میں "حصے" کے ساتھ کہیں زمین کے ایک مخصوص حصے کی پیداوار کی شرط بھی مذکور ہے کہ حصے کے ساتھ یہ بھی لیں گے، کہیں اپنے لیے زمین کے مخصوص زرخیز حصے کی شرط مذکور ہے۔ بہر حال یہ استثناء مزارع کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم بھی اسے ناجائز کہتے ہیں۔

امام ابن الجوزی منع کی حدیثوں کے جواب میں تین باتیں ذکر کرتے ہیں (۱) بعض وجوہ کی بنا پر ان کے درمیان جھگڑے ہوتے تھے (۲) مالک زمین کا زرخیز حصہ اپنے لیے خاص کر لیتا تھا۔ (۳) یہ نہی نہی تنزیہی ہے، یعنی مروت اسی میں ہے کہ حصے پر دینے کے بجائے بخشش کر دے۔

والجواب من ھذین الحدیثین من ثلثۃ اوجہ

الاول: انہ انما نھی لاجل خصومات وقعت بینھم ...... والثانی: انھم کانوا یکرون بما یخرج علی الاربعاء وھو جوانب الانھار وما علی الماذیانات وذلک یفسد العقد والثالث انہ محمول علی التنزیہ (نصب الرایۃ مختصرا وملخصا)

امام مالکؒ اسے "بیع الطعام بالطعام" سے تعبیر کرتے ہیں لیکن یہ بیع الطعام بالطعام نہیں ہے بلکہ ایک طرف محنت ہے، دوسری طرف زمین ہے۔

شوافع کے نزدیک اہل خیبر سرکار کے غلام تھے۔ زمین سے جو پیدا ہوا اور اس میں سے جو ان کو دیا گیا، سب سرکار کا تھا۔ گویا کہ ان کے نزدیک، جو بات طے ہوئی وہ "معاملے" کی صورت نہیں تھی۔ مگر روایات کے الفاظ اس کے متحمل نہیں ہیں۔ غلاموں سے معاملہ نہیں کیا جاتا، ان سے مناسب، خدمات لی جاتی ہیں اور ان کے مناسب مصارف کی ذمہ داری قبول کی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات نہیں ہے بلکہ معاہدہ ہے (عامل خیبر بشطر ما یخرج منھا وفی روایۃ: ان یکفوا عملھا ولھم نصف الثمر (بخاری) اگر وہ غلام ہوتے تو ان کو جلاوطن نہ کیا جاتا۔

حضورؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی زمین بٹائی پر دیا کرتے تھے۔

عن ابی جعفر عن النبی صلی اللہ انہ اعطی خیبر بالنصف قال فکان ابوبکر وعمر وعثمان

یعطون ارضھم بالثلث (کتاب الخراج)

نجی زمینیں بھی بٹائی پر دی گئیں ۔ خیبر کا معاملہ، خراج مقاسمہ سہی، لیکن نجی اور غیر سرکاری زمینوں کا حضورؐ کے عہد میں بٹائی پر دیا جانا خود اس امر کا ثبوت ہے کہ بٹائی پر زمین دینا بہر حال جائز ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قَالَتِ الْاَنْصَارُ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقْسِمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیْلَ قَالَ: لَا! فَقَالُوْا تَکْفُوْنَا الْمُؤْنَۃَ وَنُشْرِکُکُمْ فِی الثَّمَرَۃِ فَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (رواہ البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ)

انصار نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے اور ہمارے (مہاجر) بھائیوں کے درمیان کھجور کے درخت تقسیم کر دیجیے! آپؐ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا (اس پر مہاجرین) نے کہا کہ محنت تم کرو، پھلوں میں ہم تمہیں شریک کر لیں گے۔ انصار نے کہا کہ: اٰمنّا وصدّقنا۔

مہاجرین کو انصار نے جگہ بھی دی، اور مال میں سے حصہ بھی دیا۔ اب وہ چاہتے تھے کہ مستقل تقسیم ہو جائے۔ اس موقعہ پر مندرجہ بالا گفتگو ہوئی۔ بہر حال نجی زمینوں کو مزارعت پر دینے کی بات حضورؐ کے سامنے ہوئی اور حضورؐ کے سامنے طے ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ خراج مقاسمہ کی تہمت اور تاویل سے بھی پاک ہے۔ اور یہ سارا معاملہ نجی اراضی کا ہے۔

بلکہ بٹائی کا یہ سلسلہ گھر گھر میں رائج تھا اور حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی موجودگی میں ہوا۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِیْنَۃِ اَھْلُ بَیْتِ ھِجْرَۃٍ اِلَّا یَزْرَعُوْنَ عَلَی الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ۔ (بخاری کتاب والمزارعۃ)

یہ معاملہ حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمر بن عبد العزیز، قاسم، عروہ بھی فرماتے رہے تھے۔

زَارَعَ علی وسعد بن مالک وعبد اللہ بن مسعود وعمر بن عبد العزیز والقاسم والعروۃ (بخاری)

بلکہ حضرت ابو بکرؓ کا پورا خاندان، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا سارا کنبہ مزارعت پر زمینیں دیا کرتے تھے۔

وال ابی بکر وال عمر وال علی (بخاری) قال عمرو بن عثمان: سمعت ابا جعفر محمد بن علی یقول: ال ابی بکر وال عمر وال علی یدفعون ارضیھم بالثلث والربع (رواہ عبد الرزاق باب المزارعۃ)

حضرت عبد الرحمٰن بن یزید، حضرت ابن سیرینؒ اور حضرت عمر خود کیا کرتے تھے:

وابن سیرین وقال عبد الرحمن بن الاسود کنت اُشارِکُ عبد الرحمن بن یزید فی الزرع

وعامل عمر الناس علی ان جاء عمر بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاءوا بالبذر

فلہم کذا (بخاری)

حضرت حسن بصری، حضرت ابراہیم، عطاء، حکم، زہری، قتادہ اور معمر کا بھی یہی نظریہ تھا (بخاری)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت ابن مسعودؓ بٹائی پر دیا کرتے تھے۔

قال موسیٰ بن طلحۃ: رأیت سعد بن ابی وقاص وعبد اللہ بن مسعود یعطیان ارضہما

بالثلث والربع (کتاب الخراج لابی یوسف)

حضرت عمرؓ نے اہل نجران کو تحریر فرمایا کہ میں نے یعلیٰ کو نصیحت کی ہے کہ وہ مسلمانوں سے اچھا سلوک کرے اور زمین کی پیداوار میں سے نصف عطا کیا کرے۔

کَتَبَ عُمَرُ بْنُ الخطاب اِلٰی اَھْلِ نَجْرَانَ، اِنِّی قد استوصیت بعلی بِمَنْ اَسْلَمَ مِنْکُمْ خیراً

وامرتہ ان نُعْطِیَ نصف ما عمل من الارض (عبد الرزاق)

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت کی کہ فلاں شخص نے زمین لے کر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ یعنی بٹائی پر کام کرتا ہے، متعلقہ شخص نے جواب دیا کہ نصف پر زمین لی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

جاء رجل الی علی فوشی برجل فقال انہ اخذ ارضا یفعل بہا کذا وکذا فقال الرجل: اخذتہا

بالنصف اکری انہارہا واصلحہا واعمرہا فقال علی: لا باس بہ (عبد الرزاق)

صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ: حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے ابتدائی دور حکومت تک زمینیں ٹھیکے پر دی جاتی تھیں۔

ان ابن عمر کان یکری مزارعہ علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر و

عثمان وصدرا من امارۃ معاویۃ (بخاری ومسلم)

قد علمت انا کنا نکری مزارعنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث (بخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: حضورؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ فیاضی اور مروت کی طرف توجہ دلائی تھی۔

قال ابن عباس: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال ان یمنح احدکم

اخاه خیرلہ من ان یاخذ شیئا معلوما (بخاری)

حضرت زید بن ثابت قسم کھا کر کہتے ہیں کہ: اصل میں حضرت رافع بات نہیں سمجھے، دو شخص لڑ پڑے تو آپ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیکے پر دیا ہی نہ کرو۔ انھوں نے بس ٹھیکے پر دیا نہ کرو سنا۔

یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحدیث منہ انما اتی رجلان ..... قد اقتتلا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع وزاد مسدد فسمع قولہ: لا تکروا المزارع (رواہ ابوداؤد والطحاوی)

بہرحال خود کاشت سے زیادہ زمین اپنے پاس رکھنا برا نہیں بشرطیکہ اس کو آباد رکھنے کے سامان کر سکے، وہ ٹھیکے پر دے کر یا حصے پر۔ ہاں اگر اسے ویران رکھ چھوڑے تو پھر حکومت کو اس میں مداخلت کرنے کا حق ہوتا ہے جن روایات سے منع معلوم ہوتی ہے، وہ مجمل ہیں اور جو مفصل ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ منع کی وجہ زمین کا ضرورت سے زیادہ ہونا نہیں ہے بلکہ مالک زمین اور کاشتکار کا باہمی نزاع ہے یا فریقین میں سے کسی ایک کی زیادتی اور دھاندلی اس کا سبب ہے۔ اگر بالکلیہ ممنوع ہوتی تو پھر حضورؐ کا اپنا تعامل اس کے خلاف نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ اور خلفاء اور دوسرے صحابہ و تابعین اپنی اپنی زمینیں ٹھیکے اور حصے پر دیتے رہتے تھے۔ یہ حضورؐ کا آخری طرز عمل ہے۔

وھو آخر ما ثبت عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستمر علیہ الی ان قبضہ اللہ تعالیٰ وعمل بہ الخلفاء الراشدون وجمھور الصحابۃ والتابعین ولا یجوز حمل حدیث رافع علی ما یخالف ...... الاجماع (اعلاء السنن)

قال ابو یوسف: ولا اعلم احدا من الفقہاء اختلف فی ذلک خلا ھولاء الرھط من اھل الکوفۃ الذین وصفت لک۔ (کتاب الخراج)

دارالافتاء

عزیز زبیدی - واربرٹن

زمین اس کی جو کاشت کرے؟

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ :-

متحدہ محاذ کے ذمہ دار لیڈروں نے بالخصوص امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد اور مولانا مفتی محمود نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ:

زمین اس کی جو کاشت کرے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

سب سے پہلے اس کا ذکر "پاکستان قومی اتحاد" کے "منشور" [1] میں ان الفاظ میں کیا گیا کہ:

مزارعت کا ہر طریقہ جو شریعت کے خلاف ہو ختم کر دیا جائے گا اور شرعی احکام کے مطابق "بالآخر" زمین اسی کی ہوگی جو اس کو کاشت کرے گا۔

اس کے بعد مفتی محمود نے اپنے ایک اخباری بیان میں اس کا ذکر کیا جو تمام اخبارات میں شائع ہوا، پھر یکے بعد دیگرے محاذ کے مختلف لیڈر مختلف اوقات میں اسے بیان کرتے رہے تا وقت تحریر آج (۲۳ر فروری ۱۹۷۷ء) ہی اس سلسلے کا جو ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ میاں طفیل محمد کا بیان ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں: [1]

---

[1] نوائے وقت مورخہ ۲۷ر فروری ۱۹۷۷ء میں "میاں طفیل محمد کی وضاحت" کے عنوان سے یہ خبر شائع ہوئی ہے۔

لاہور۔ ۲۷ر فروری (سٹاف رپورٹر) امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے ایک بیان میں یہ وضاحت کی ہے کہ قائد آباد کے جلسہ میں کچھ ان کہی باتیں ان سے منسوب کی گئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ زرعی پالیسی کے بارے میں میں نے یہ کہا تھا کہ زمین ہو، صنعت، تجارت یا کوئی اور شے، تمام امور شریعت الٰہیہ کے مطابق طے کیے جائیں گے اور کسی کو بھی کسی کے حق پر دست درازی کا حق نہ ہوگا۔ جس کی ملکیت جائز ہوگی (باقی ص ۳۲)

"اگر ہم برسر اقتدار آگئے، تو مزارع اور مالک کا صدیوں پرانا نظام ختم کر دیا جائے گا اور جو شخص اپنی زمین کاشت کرے گا وہی مالک ہوگا۔ جو زمین خود کاشت نہیں کرے گا وہ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کے نام کر سکے گا یا فروخت کر سکے گا۔ اسے یہ زمین اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (نوائے وقت ۲۳؍فروری)

یہ ملحوظ رہے کہ متحدہ محاذ مندرجہ ذیل جماعتوں پر مشتمل ہے۔

آل جموں و کشمیر کانفرنس، پاکستان جمہوری پارٹی، پاکستان مسلم لیگ، تحریک استقلال، جماعت اسلامی، جمعیۃ علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، پاکستان خاکسار تحریک، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (منشور پاکستان قومی اتحاد ص۲)

ان میں صرف تین جماعتیں ایسی ہیں جن کو جماعتی حیثیت سے دین سے دلچسپی اور مَس ہے اور وہ دینی نزاکتوں سے واقف بھی ہو سکتی ہیں، ایک جماعت اسلامی، دوسری جمعیۃ علمائے اسلام اور تیسری جمعیۃ علمائے پاکستان، جہاں تک شرعی احکام اور علم کی بات ہے اس کی رو سے عالم دین صرف مؤخر الذکر دو جماعتوں کے قائدین ہیں۔ مفتی محمود اور احمد شاہ نورانی۔ اور یہ دونوں حنفی ہیں، محاذ میں باقی جماعتوں کے رہنما مسلمان ضرور ہیں مگر کتاب و سنت کے عالم نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دورِ حاضر کی سوشلسٹ تحریکوں کے چرکوں سے محفوظ بھی نہیں ہیں گویا ان کے نزدیک یہ بھی ایک غریب نوازی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دین نوازی کی یہ بھی کوئی ایک شکل ہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست!

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دنیا دار سیاسی جماعتوں کی یہ "غریب نوازی" دینی جذبہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ان کی سیاسی مصلحت بینی اور حکمتِ عملی کا ایک سیاسی داعیہ ہے۔ ان میں جو تین سیاسی جماعتیں ہیں، … دیندار ہونے کے باوجود آج کل وہ بھی ہوا کا رخ دیکھنے کی بیمار ہیں۔ اس لیے ان کی کسی بات کو دین پر مبنی قرار دینا ضروری نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی بات حرف آخر تصور کی جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ اپنی زمین مزارعت پر بھی کاشت کرا سکتا ہے خود بھی کاشت کر سکتا ہے اور ملازم رکھ کر بھی کاشت کر سکتا ہے، جو صورت ہر دوسرے کاروبار میں جائز اور حلال ہے۔ اسے زمین کے معاملے میں حرام اور ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انھوں نے کہا کہ قائد آباد کے جلسہ میں مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبد الستار نیازی موجود نہیں تھے۔

کیونکہ یہ لوگ ابھی کئی رخ بدلیں گے ـــ دین کی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کے بعض خام پہلوؤں کی بنا پر یہ اندیشہ ہے کہ: بعض ایسی باتیں جو دین نہیں ہیں، دین کہلانے لگ جائیں۔ کیونکہ ان سیاسی دینداروں کے نزدیک وقت اور حالات کے ساتھ احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی دعوے کرتے ہیں کہ اساسی تصورات غیر متغیر ہیں، گویا کہ وہ یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ درخت کا تنا تو وہی رہتا ہے لیکن اس کے برگ وبار رنگ بدلنا شروع کر دیتے ہیں، یعنی کیکر کا درخت تو کیکر ہی رہے گا لیکن اس کے پتے اور پھل کبھی انگوروں کے برگ وبار بھی بن سکتے ہیں۔ یا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کبھی غیر اسلامی دنیا کی باتیں بھی اسلام کا جزو بن سکتی ہیں۔ غالباً یہ حضرات حالات اور وقت کے شرعی اور قدرتی پیمانوں کو نہیں سمجھ سکے ـــ ورنہ "تغیر زمان وحالات" کے کدال سے مسائل کو حل کرنے کی تکلیف میں نہ پڑتے۔ افسوس اس امر کا ہے کہ سیاسی میدان ایسا میخانہ ہے کہ اس میں عالم زاہد بھی قدم رکھ لیں تو ان کی پگڑی بھی اچھلنے لگ جاتی ہے۔ دنیا داروں کو کوئی کہاں تک روئے، وہ اصل علماء اور زہاد کی اکسیر، سیاسی مصلحت کیشی کے ہاتھوں عموماً پٹ جاتی ہے۔ ایسے میدانوں میں احمد بن حنبل اور احمد بن تیمیہؒ جیسی عظیم روحیں سلامت رہ سکتی ہیں، باقی رہے دوسرے لوگ؟ علم وزہد کے باوجود ان کے لیے یہ سیاسی کانیں کانِ نمک ہی ثابت ہوتی ہیں۔

ع آنچہ در کانِ نمک رفت نمک شد

اس تمہید کی ضرورت صرف اس لیے پڑی ہے کہ: ان جماعتوں سے حسن ظن رکھنے کے باوجود ان کی سلامت روی کے لیے خدا سے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے اور جو کچھ وہ کریں یا کہیں ان کو بہرحال کتاب وسنت کی ترازو میں تولنے کی ضرور کوشش کی جایا کرے۔ کیونکہ وہ نیک اور نیک نیت سہی، تاہم وہ نبی یا خلفاء راشدین نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ ابھی وہ نو وارد بھی ہیں اور وہ ماحول اور فضا بھی ابھی غائب ہے جو احکام اور مسائل کی روح کو سمجھنے کے لیے مدد دے سکتی ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراً۔

متحدہ محاذ میں چونکہ دینی نقطۂ نظر کی حامل جماعت اسلامی یا صرف حنفی بزرگ ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں پہلے انہی کے افکار پیش کیے جائیں، ان کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی اصلی نوعیت واضح کی جائے۔

جماعت اسلامی کے بانی۔ مزارعت کے مسئلہ پر جماعت اسلامی کے داعی حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جو خاصی بصیرت افروز ہے، یہاں پر اس

کے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

"اس میں صریح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دی، اپنی طرف سے بھی، حکومت کی طرف سے بھی اور ان پندرہ سو افراد کی طرف سے بھی جن کا حصہ خیبر میں تھا، اس طریقہ پر آپؐ اپنے آخری لمحۂ حیات تک عامل رہے اور آپؐ کے بعد شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کا عمل بھی اسی پر رہا۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کو گمان ہو سکتا ہے کہ اسلامی قانون میں بٹائی پر زمین کاشت کے لیے دینا ممنوع تھا" (مسئلہ ملکیت زمین ص)

اسلام کے احکام ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے سے متناقض و متصادم نہیں ہیں.....

یہ وہ خوبی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس دین کے منجانب اللہ ہونے کا ایک نمایاں ثبوت قرار دیا ہے لیکن اگر ہم یہ مان لیں کہ شریعت میں مزارعت ناجائز ہے اور یہ کہ شارع زمین کی ملکیت کو خود کاشتی تک محدود کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ شارع آدمی کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ خود کاشتی کی حد سے زائد جتنی زمین اس کے پاس موجود ہو اسے یا تو دوسروں کو مفت دے دے یا بے کار ڈال رکھے تو ذرا سا غور کرنے پر ہمیں علانیہ یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ احکام اسلام کے دوسرے اصولوں اور قوانین سے مناسبت نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر تناقض کی چند نہایت صریح صورتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اسلامی نظام میں ملکیت کے حقوق صرف ہٹے کٹے مردوں تک ہی محدود نہیں ہیں، بلکہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کو بھی یہ حقوق پہنچتے ہیں۔ اگر مزارعت ممنوع ہو تو ان سب کے لیے زرعی ملکیت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۔ اسلامی قانون وراثت کی رُو سے جس طرح ایک آدمی کی میراث اس کے مرنے پر بہت سے آدمیوں کے درمیان بٹ جاتی ہے، اسی طرح بسا اوقات بہت سے مرنے والوں کی میراث ایک آدمی کے پاس جمع ہو سکتی ہے، اب یہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ اسلام کا قانون وراثت تو بیسیوں اور سینکڑوں ایکڑ تک زمین ایک شخص کے پاس سمیٹ لائے مگر اس کا قانونِ زراعت اس کے لیے ایک محدود رقبے کے سوا باقی تمام ملکیت سے انتفاع کو حرام کر دے۔

۳۔ اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی ہے.... پھر آخر تنہا زرعی جائداد میں وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا میلان یہ ہو کہ اس کے حقوقِ ملکیت کو مقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے؟

۴۔ فیاضانہ طریقہ سے مفت دے دینا اسلام پسند تو ضرور کرتا ہے مگر اسے فرض نہیں کرتا۔

۵۔ اسلامی قانون نے تجارت، صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے ...... لیکن آخر اس بات کے لیے کون سے معقول وجوہ ہیں کہ ایک شخص اپنا سرمایہ زمین کی شکل میں دوسرے کو دے کر یہ نہ کہہ سکے کہ تو اس میں کاشت کر، پیداوار میں تہائی یا چوتھائی یا نصف کا میں شریک ہوں۔ (مسئلہ ملکیت زمین ص۴۲ تا ص۵۱ ملخصاً)

اس سے پہلے ایک انتخابی منشور میں جماعت اسلامی نے یہ اعلان کیا تھا کہ:

۶۔ مالکانِ اراضی اور کاشتکاروں کے درمیان انصاف قائم کرنے کے لیے حسب ذیل اصلاحات کا نفاذ۔

(الف) کاشتکار کو کم از کم اتنا قطعۂ زمین اور اتنا حصہ پیداوار لازماً دیا جائے جو بلحاظ اوسط اس کی بنیادی ضروریات کے لیے کفایت کر سکے۔

(ب) پیداوار کے مقرر حصہ یا طے شدہ لگان کے سوا مالکانِ زمین کو کاشتکاروں سے کوئی ٹیکس یا کوئی بلا معاوضہ خدمت لینے کا حق نہ ہو۔

(ج) مخصوص قانونی وجوہ کے سوا کسی کاشتکار کو زمین سے بے دخل نہ کیا جا سکے۔

(د) مالکوں اور کاشتکاروں کی باہمی شکایات رفع کرنے کے لیے ان کی مشترک پنچایتیں قائم کی جائیں۔ (ترجمان القرآن ص۴۸-۴۹ جلد ۳۵، عدد ۳، ۴)

لیکن حالیہ انتخابات کے منشور میں اس کے خلاف کہا گیا ہے۔ یہ منشور تنہا جماعت اسلامی کا نہ سہی، بہر حال ان کے بیان کی حیثیت تو ایک جماعتی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ بٹائی کا طریقہ جائز ہے، ملاحظہ ہو رسائل و مسائل ص۲۲۹/۲)

اختلاف: حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کاشتکاری کے لیے دینا جائز نہیں ہے۔

قال ابو حنیفۃ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ (قدوری) وھی فاسدۃ عند ابی حنیفۃ (ھدایہ)

امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک، کاشتکاری کا سلسلہ جائز ہے۔ وقالا جائزۃ (ھدایہ)

اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

الا ان الفتویٰ علیٰ قولھما لحاجۃ الناس الیھا (ھدایہ)

ولا تصح عند الامام لانها كقفيز الطحان وعندهما تصح وبه يفتى للحاجة وقياسًا على المضاربة (در مختار مع شرح تنویر الابصار)

قال ابو یوسف رحمہ اللہ: ولكن تلك الارض عندى هى بمنزلة مال المضاربة (كتاب الخراج)

قال محمد: وبهذا نأخذ لا بأس بمعاملة النخل على الشطر والثلث والربع وبمزارعة الارض البيضاء على الشطر والثلث والربع وكان ابو حنيفة يكره (موطا)

وقال عبد الحی: وبجوازه قال الجمهور وروى عند ابن ابى شيبة وغيره عن على وابن مسعود وسعد وجماعة من التابعين فمن بعدهم (التعليق الممجد على موطا محمد)

جماعت اسلامی کے راہ نماؤں اور احناف کے ائمہ اور فقہاء کی ان تصریحات کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ میاں طفیل محمد صاحب اور مفتی محمود صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ جماعت اسلامی کے منشور، اس کے اولین داعی کی تصریحات اور فقہ حنفی کے فتووں کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے اگر وہ اپنے موقف پر نظر ثانی فرما سکیں تو زیادہ مناسب رہے گا، ان کی جماعتی اور مسلکی روح کا اقتضا بھی یہی ہے۔ اس سلسلے میں جو بات دیکھنے کے قابل ہے وہ زاویۂ نگاہ کی بات ہے، یعنی یہ کہ مزارعت ایک شراکت ہے، ان کے درمیان "آقا اور غلام" کی نسبت نہیں ہے۔ جہاں ایسی فرسودہ ذہنیت پیدا ہو جائے وہاں بےشک اس کو سختی کے ساتھ دبا دینا چاہیے۔

مزارعت کے خلاف روایات۔ بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ کاشتکاری سسٹم جائز نہیں ہے۔ ان روایات کے راویوں کے سرخیل حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ انصاری ہیں اور زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس سلسلے کی بات حضورؐ سے خود نہیں سنی بلکہ اپنے دو چچاؤں سے سنی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ نے مزارعت (کاشتکاری) سے منع فرمایا ہے، آپؐ کا ارشاد ہے کہ مالک زمین خود کاشت کرے یا خود کاشت سے زائد زمین دوسرے بھائیوں کو دے دے۔

فقال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن امر كان لنا نافعا وطواعية الله ورسوله انفع لنا وانفع قال: قلنا وما ذاك؟ قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من كانت له ارض فليزرعها او ليزرعها اخاه ولا يكاريها بثلث ولا بربع ولا بطعام مسمى (رواه ابو داؤد) من كانت له فضول ارضين (ابن ماجه)

حضرت ابن عمرؓ نے بھی انہی کی روایت پر بھروسہ کیا تھا ورنہ ان کی معلومات اس سے مختلف تھیں۔

ثم خشی عبد اللہ ان یکون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد احدث فی ذلک شیئاً لم یکن علمہ فترک کراء الارض (بخاری باب ماکان اصحاب النبی)

حضرت جابرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حصے پر زمین کاشت کے لیے دینے سے منع فرمایا تھا یعنی خود کاشت کیجیے یا دوسرے بھائی کو بخشیش کیجیے!

عن جابر قال کانوا یزرعونھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا الحدیث (بخاری ایضا)

حضرت ابوہریرہؓ کا بھی یہی کہنا ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا الحدیث (بخاری باب مذکور)

صحیح صورتِ حال - ان روایات کے مجموعی مطالعہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ اس سے مختلف ہے جو روایات کے الفاظ سے مترشح ہوتی ہے۔

ملکیت کی نفی نہیں - سب سے پہلی بات جو سمجھ لینی چاہیے، وہ یہ ہے کہ: جن روایات میں آیا ہے کہ خود کاشت کرو، ورنہ کسی کو دے دو (فلیزرعھا او لیمنحھا) اس میں صرف یہ سفارش کی گئی ہے کہ اگر کسی کو دینی ہے تو پھر زاید زمین کسی ضرورت مند کو دے دی جائے تاکہ اور کوئی فائدہ اٹھائے اس سے غرض ملکیت کی نفی نہیں ہے، اس لیے فرمایا: ورنہ زمین اپنے گھر رکھ لیجیے۔

فان لم یفعل فلیمسک ارضہ (بخاری باب مذکور) فان لم یمنحھا اخاہ فلیمسکھا (مسلم) فان ابی فلیمسک ارضہ (مسلم)

ایسا کیوں فرمایا؟ کسی کو استفادہ کے لیے دے دیجیے یا پھر گھر رکھ لیجیے! یہ بات کیوں اور کس موقع پر فرمائی؟ بات دراصل یہ ہوئی کہ: مالکِ زمین اور کاشتکار، آپس میں لڑ پڑے تھے، آپ نے فرمایا کہ: دینی ہے تو پھر لڑیے نہیں، اگر لڑنا ہے تو پھر زمین گھر رکھیے! حضرت زیدؓ بن ثابت قسم کھا کر کہتے ہیں کہ بخدا میں رافع بن خدیج سے زیادہ حضورؐ کے ارشاد کو جانتا ہوں: خدا اس کو معاف کرے اصل یہ بات ہوئی کہ دو انصاری حضورؐ کے پاس آئے اور لڑ پڑے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر زمین ٹھیکے پر دو ہی نہیں۔

قال زید بن ثابت: یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ اعلم بالحدیث منہ، انما اتاہ رجلان وقال مسدد: من الانصار ثم اتفقا قد اقتتلا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ان كان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع (زاد مسدد) فسمع قوله: لا تكروا المزارع (رواه ابوداؤد باب في المزارعة) والود ب الارض يزرعها او يزرعها وكره كراءها (مسلم)

لڑے کیوں؟ لڑے کیوں؟ صرف اس لیے کہ مالک زمین، زمین کا زرخیز حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا تھا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچتی کہ کبھی کاشتکار کے حصے میں پیداوار ہو جاتی اور مالک خالی ہاتھ رہتا، کبھی اس کے برعکس صورت بن جاتی، ظاہر ہے جو گھاٹے میں رہتا اسے دوسرے سے الجھنے کی نوبت آ ہی جاتی۔

انما كان يؤاجرون على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بما على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا ولم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه (رواه ابوداؤد ومسلم) قال سعد: كنا نكري الارض بما على السواقي من الزرع وما سعد بالماء منها فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك رواه ابوداؤد)

قال دعاني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: قال ما تصنعون بمحاقلكم قلت نؤاجرها على الربيع وعلى الاوسق من التمر والشعير قال لا تفعلوا ازرعوها او ازرعوها او امسكوها قال رافع سمعا وطاعة (بخاری)

قال جابر بن عبد الله: كنا في زمن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نأخذ الارض بالثلث والربع بالماذيانات فقام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في ذلك فقال من كانت له ارض فليزرعها فان لم يزرعها فليمنحها اخاه فان لم يمنحها اخاه فليمسكها (رواه مسلم)

حضرت رافع بن خدیج نے اس ناگوار صورت کا خود بھی ذکر کیا ہے۔

يقول كنا اكثر الانصار حقلا قال كنا نكري الارض على ان لنا هذه ولهم هذه فربما خرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذلك (رواه مسلم)

حضرت رافعؓ بن خدیج اپنے دو چچاؤں سے بھی یہی استثنائی صورت بیان کرتے ہیں۔

عن رافع بن خديج حدثني عماي انهم كانوا يكرون الارض على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بما ينبت على الاربعاء او بشيء يستثنيه صاحب الارض فنهى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن ذلك (رواه البخاری)

ابن ماجہ میں روایت اور صراحت سے آئی ہے۔

قال رافع بن خدیج : کان احدنا اذا استغنی عن ارضہ اعطاھا بالثلث والربع و النصف، واشترط ثلث جداول والقصارۃ وما سقی الربیع وکان العیش اذ ذاک شدیدا فکان یعمل فیھا بالحدید وبما شاء اللہ الحدیث (ابن ماجہ)

قال حنظلۃ بن قیس قال سألت رافع ابن خدیج عن کراء الارض البیضاء فقال حلال لا باس بہ، انما نھی عن الارمات : ان یعطی الرجل الارض ویستثنی بعضھا نحو ذلک (رواہ عبد الرزاق باب کراء الارض بالذھب والفضۃ)

قال نافع کان ابن عمر یکری ارضہ فاخبر بحدیث رافع بن خدیج فاخبرہ فقال : قد علمت ان اھل الارض یعطون ارضیھم علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ویشترط الارض ان لی الماذیانات وما سقی الربیع ویشترط من الجرین شیئاً معلوماً قال فکان ابن عمر یظن ان النھی لما کانوا یشترطون (عبد الرزاق)

اگر یہ بات نہ ہوتی اور بعض حضرات کے حسب ارشاد : اس سے غرض زائد زمین کا چھین لینا ملحوظ ہوتا تو پھر اسے ٹھیکے پر دینے کی بھی اجازت نہ ہوتی ، حالانکہ ٹھیکے پر دینے کی آپ نے اجازت دی تھی۔ اور یہ بات خود حضرت رافع نے بیان فرمائی ہے۔

قال حنظلۃ بن قیس : فقلت لرافع فکیف ھی بالدینار والدراھم فقال رافع لیس بھا بأس بالدینار والدرھم (بخاری)

قال سعد : وامرنا ان نکریھا بذھب او فضۃ (رواہ ابو داؤد)

قال فقلت اما بالذھب والورق قال (ای رافع) اما بالذھب والورق فلا باس بہ (رواہ مسلم) واما الورق فلم ینھانا (مسلم)

ولم ینہ ان نکری الارض بالورق (ابن ماجہ) ورخص لنا ان نکریھا بالذھب والورق (ابن حبان)

اگر زائد زمین کو گھر سے اٹھا کر پھینک، دینے کی بات ہوتی تو پھر ٹھیکے پر دینے کی بھی اجازت نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک پیش آمدہ مفسدہ کی روک تھام کے لیے مزارعت سے روکا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت جو مزارعت رائج تھی وہ حق تلفی اور ظلم و زیادتی پر مبنی تھی۔ چنانچہ اس سے جھگڑے بھی پیدا ہوئے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ مزارعت سے روکنے کی اس وقت اصل صورت مفسدہ تھی

کہ: اگر یہ بات ہے تو پھر کاشت پر نہ دو، گھر میں رکھو! یہ انداز گفتگو دراصل اس امر کا غماز ہے کہ، مزارعت ٹھیک ہے لیکن تمھاری فلاں حرکت ناجائز ہے، اور جب تک یہ باقی ہے، کاشت پر نہ دو۔

ہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حصے پر نہ دینے کے حکم سے یہ بات کیسے نکل آئی کہ: زائد زمین رکھنا ہی جائز نہیں؟ اگر کاشت پر دینے میں حق تلفی یا جھگڑے کی کوئی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ٹھیکے پر دے دیجیے! بہر حال کاشت پر دینے سے ممانعت کا لازمی نتیجہ یہ نہیں کہ زائد زمین اس سے چھین لی جائے۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے دوسرے ہمنوا بزرگوں کے توقف سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ زائد زمین رکھنے کے حق میں نہیں ہیں، یہ دوستوں کی اختراع ہے، ان بزرگوں کا مسلک نہیں ہے۔ بلکہ احناف نے تصریح کی ہے۔

کہ امام ابو حنیفہ کی بات تقویٰ پر مبنی ہے ان کا فتویٰ نہیں ہے کہ وہ حرام ہے۔

انما غایتہ انہ کرھہا تورعا کما ترکہا ابن عمر تورعا وتبعہ ابراھیم (اعلاء السنن)

حصے پر زمین دیتے وقت اگر حصے کا تعین نہ کیا جائے تو پھر مزارعت بھی جائز نہ ہو گی، اگر ضمانت حاصل کر کے حصے کی بات طے کر لی گئی ہے کہ ۱/۲ یا ۱/۳ یا ۱/۴ مثلاً تو پھر یہ ممنوع بھی نہیں، چنانچہ حضرت رافعؓ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

واما شئی معلوم مضمون فلا بأس بہ (مسلم)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منع کی اصل وجہ زمین کا زائد اور فالتو ہونا نہیں ہے بلکہ حصے کی (۱) جہالت ہے (۲) یا معلوم تو ہو مگر قابلِ وثوق ضمانت اور اطمینان کی صورت نہ رہے۔ (۳) یا فریقین میں سے کسی ایک کے نقصان اور حق تلفی کا اندیشہ ہو (۴) یا پہلے ہی دن باہمی نزاع اور جھگڑے کے لیے کوئی گنجائش رکھ لی جائے۔

اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو ممانعت کی وجہ اور کوئی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ بنیادی طور پر اسلام ذاتی ملکیت کا منکر نہیں ہے اور نہ اس کی غیر قدرتی تحدید پر وہ اصرار کرتا ہے، ہاں میراث اور صدقات جیسے مؤثر اور قدرتی ذرائع کے ذریعے قارون اور جاگیردار بننے کے امکانات کا خاتمہ ضرور کرتا رہتا ہے تاکہ کوئی جاگیردار بندگانِ خدا کو، جنسِ بازار تصور کر کے اس کی بولی دینے کے قابل نہ رہے، اگر اسی خوئے بد کے امکانات معدوم ہو جائیں تو پھر جاگیر، اور دولت کی فراوانی، سلیمانی ہوتی ہے ورنہ وہ قارونیت بھی ہو گی اور فرعونیت بھی۔ ہمارے نزدیک اس ذہن اور کردار کے لوگ عموماً غیر صالح

حکمرانوں اور غیر اسلامی نظام حکومت کی پیداوار ہوتے ہیں، خود رو جھاڑیاں نہیں ہوتے۔ نگران کے بدلنے کی بجیے۔ سبب باقی رہے اور مسبب، کو دور کرتے رہنا انتہائی بے تکی بات معلوم ہوتی ہے۔

رسولِ کریم کا تعامل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا تعامل مزارعت کے جواز کا مؤید ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہود خیبر کو حصے پر دے دی تھی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطی خیبر الیہود علی ان یعملوھا ویزرعوھا ولھم شطر ما خرج منھا (بخاری باب المزارعۃ مع الیہود)

بعض بزرگوں نے اس روایت کو منسوخ کہا ہے مگر یہ بات محلِ نظر ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا یہ تعامل آخری تعامل ہے، اور کچھ اور حضرات نے اسے سرے سے مزارعت ہی قرار نہیں دیا مگر یہ علمی درایت نہیں ہے بلکہ بزرگانہ باتیں ہیں۔

یہ معاملہ صرف یہودِ خیبر سے نہیں کیا گیا بلکہ دوسرے علاقے کے بارے میں بھی حضورؐ نے اسی دستور کے نفاذ کی سفارش فرمائی تھی۔

قال معاذ بن جبل: بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی قری عربیۃ فامرنی ان آخذ الارض، قال سفیان: وحظھا الثلث والربع فلم یر بہ بأسا (عبد الرزاق)

خلفاءِ راشدین کا تعامل۔ یہ دستور خلفائے راشدین کا بھی تھا۔

فمضی علی ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر وسنتین من خلافۃ عمر حتی اجلاھم عمر منھا (عبد الرزاق)

فقال الرجل: اخذتھا بالنصف اکری انھارھا واصلحھا واعمرھا فقال علی لا بأس بہ (عبد الرزاق)

حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو جاگیریں عطا کیں، جاگیر عموماً فردِ واحد سے زائد شئے ہوتی ہے۔

اقطع عثمان لخمسۃ من اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعبد اللہ ولسعد وللزبیر ولخباب ولاسامۃ بن زید فکان جاراى عبد اللہ وسعد یعطیان ارضھما بالثلث (عبد الرزاق)

ان عمر بن عبد العزیز کتب الی عثمان بن محمد بن ابی سوید ببنیع الارض بالذھب وان یخابر علی اصل الارض (عبد الرزاق)

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کا بھی یہی نظریہ تھا۔

سئل ابن عمر کراء الارض فقال ارضی وبعیری سواء (عبد الرزاق)

قال انس بن مالک: ارضی ومالی سواء (عبد الرزاق)

حضرت امام بخاری نے ان صحابہ اور ائمہ تابعین سے مزارعت کا جواز نقل کیا ہے:۔

حضرت علی، سعد بن مالک، ابن مسعود، عمر بن عبد العزیز، قاسم، عروۃ، آل ابی بکر، آل عمر، آل علی، ابن سیرین، عبد الرحمٰن بن الاسود، عبد الرحمٰن بن یزید، حسن بصری، ابراہیم، عطا، حکم، زہری، قتادۃ ومعمر (بخاری باب المزارعۃ بالشطر)

حضورؐ کے عہد میں اس کا رواج رہا بلکہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے ابتدائی دور میں بھی۔

کان یکری مزارعۃ علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان وصدرا من خلافۃ عمر (بخاری) ان عبد اللہ بن عمر قال کنت اعلم فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الارض تکری (بخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا تھا بلکہ سفارش کی تھی کہ وسعتِ ظرف کا ثبوت دیا جائے۔

قال ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم ینہ عنہ ولکن قال ان یمنح احدکم اخاہ خیر لہ من ان یاخذ شیئا معلوما (بخاری وغیرہ)

مزارعت کی قسمیں۔ جن بزرگوں نے مزارعت کی ممانعت کی ہے، اس سے یہ تصور کرنا کہ انھوں نے مطلقاً اور ہر قسم کی مزارعت کی ممانعت کی ہے، محلِ نظر ہے۔

امام زیلعی فرماتے ہیں کہ:

مزارعت تین طرح پر ہوتی ہے (۱) نقد ٹھیکے پر دینا، یہ بالاتفاق جائز ہے۔ یعنی حنفی ائمہ (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک (۲) پیداوار میں سے متعین حصہ مقرر کر لینا، زمین کا کوئی ایک حصہ یا کسی خارجی متعین چیز پر، مثلاً پانچ وسق، یہ بالاتفاق ناجائز ہے (۳) تیسرا یہ کہ زمین کی پیداوار کا نصف یا ثلث (مثلاً) یہ وہ بات ہے جس میں صاحبین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف ہے۔

واعلم ان المزارعۃ علی ثلثۃ انحاء: کراء الارض بالنقد وھذا جائز بالاتفاق والثانی المزارعۃ علی ماخرج من الارض فان عین لنفسہ حصۃ معینۃ من الارض لم یجز بالاتفاق وکذا اذا اشترط حصۃ معینۃ من الخارج کخمسۃ اوسق او نحوھا لما فیہ من المخاطرۃ فجاز

ان لا تنبت هذه وتنبت تلك واما ذا زارعه على المشاع وهو الثالث كالنصف والثلث فهذا هو مورد الخلاف ونهى عنها ابو حنيفة واجازها صاحباه (نصب الراية باب المزارعة بالشطر)

امام ابویوسف فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک مزارعت کئی طرح پر ہے۔

۱۔ زمین عاریۃً دے اور کاشتکار اپنے خرچہ اور محنت سے کاشت کرے۔ اس صورت میں سب کچھ مزارع کا ہو گا۔ امام صاحب کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔

۲۔ مالک زمین اور کاشتکار مشترکہ محنت اور مشترکہ خرچہ سے کاشت کریں۔ اب پیداوار بھی مشترک ہو گی۔

۳۔ یہ کہ ٹھیکے پر دی جائے یہ سال دو سال کے لیے مثلاً، یہ بھی جائز ہے۔

۴۔ بٹائی پر زمین دی جائے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ فاسد ہے۔ متاجر کو مثل اجرت ملے گی۔ امام ابویوسف کے نزدیک یہ جائز صورت ہے۔

۵۔ زمین، بیل اور بیج مالک کے اور محنت کاشتکار کی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی فاسد ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک طے شدہ شروط کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔

قال ابو يوسف: المزارعة عندنا على وجوه منها عارية ليست فيها اجارة وهو الرجل يعطي اخاه ارضا يزرعها ولا يشترط عليه اجارة فيزرعها المستعير ببذره وبقره ونفقته فالزرع له والخراج على رب الارض ...... وبه يقول ابو حنيفةؒ۔

ووجه آخر تكون الارض للرجل فيدعو الرجل الى ان يزرعها جميعا والنفقة والبذر عليهما نصفان فهذا مثل الاول الزرع بينهما .... ووجه آخر اجارة ارض بيضاء بدراهم مسماة سنة او سنتين فهذا جائز والخراج على رب الارض في قول ابي حنيفةؒ۔

ووجه آخر المزارعة بالثلث والربع فقال ابو حنيفة رضي الله تعالى عنه في هذا انه فاسد وعلى المستاجر اجر مثلها .... وقال ابو يوسف المزارعة جائزة على شروطها۔

ووجه آخر ان يكون للرجل ارض وبقر وبذر فيدعو اكارا فيدخله فيها ليعمل ذلك ويكون له السدس او السبع فهذا فا في قول ابي حنيفة ومن وافقه والزرع في قولهم لرب الارض وللاكار اجر مثله وقال ابو يوسف هو عندي جائز على ما اشترطا عليه (كتاب الخراج فصل في الاجارة الارض البيضاء او ذات النخل)

کتاب الفقه على المذاهب الاربعہ میں ہے: کہ زمین مالک کی ہو اور محنت کاشتکار کی لیکن بیج اور آلات زراعت مشترکہ تو طے شدہ نسبتوں کے ساتھ یہ بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ اور تمام

فقہاء احناف اور حنبلی فقہ میں بھی یہ جائز ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

الغرض :- مزارعت جائز ہے مگر منصفانہ طریقے پر جس میں تنازع یا جہالت اور کسی کے خسارے کا غالب اندیشہ نہ ہو۔ جن بزرگوں نے اسے ناجائز کہا ہے، صرف بعض خرابیوں کی بنا پر کہا ہے، اس لیے نہیں کہ زمین اس کے پاس فالتو ہے۔ حضورؐ نے خود ہی معاملہ کیا، جیسا کہ خیبر کی زمین کے بارے میں کیا۔ آپؐ کے عہد میں صحابہؓ بھی کرتے رہے۔ بعد میں خلفائے راشدین کا تعامل بھی اسی پر رہا اور صحابہؓ کی موجودگی میں جمہور تابعین کا اسی پر عمل رہا۔ اس لیے اسے زائد زمین کہہ کر مالک کے لیے اس کو کاشت پر دینے کو کہنا کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ جہاں ممانعت آئی ہے وہاں رائج فساد کے ازالہ کے لیے آئی ہے، ورنہ حضورؐ خود اور آپؐ کے خلفاء اس کو کسی صورت میں برداشت نہ کرتے۔ کہتے ہیں نیز وہ اسے معاملہ مزارعت کا معاملہ نہیں تھا، مقاسمہ (سرکاری لگان) کی بات تھی ہم کہتے ہیں۔ اگر یہ مان بھی لیں، تو جو صحابہؓ آپؐ کے عہد میں ایسا کرتے رہے تھے، وہ تو مقاسمہ کی بات نہیں تھی؟

کہتے ہیں، خدا کہتا ہے، زمین اللہ کی ہے۔ اس کے معنی ہیں حسب ضرورت اس سے انتفاع کیا جا سکتا ہے، زائد نہیں، لیکن یہ بات صرف زمین تک محدود نہیں رہے گی، کیونکہ ارض و سماء و ما بینہما بھی اللہ کا ہے۔ اب اور بھی کوئی چیز کسی کے پاس زائد نہیں ہونی چاہیے فساقوجوا بکم فنغوجوا بنا۔

صحیح یہ ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے لیکن اس سے کسب فیض اس کے قوانین کے تحت کیا جائے تو اسے جائز ہونا چاہیے، ورنہ انسان کے فکری اور عملی قوتوں اور استعداد میں جو تفاوت ہے، ان کے نتائج بے کار جائیں گے، خدا کے ہاں بہرحال یہ اندھیر نہیں ہے۔

عبدالحفیظ حنیف — ادارۂ علوم اثریہ لائل پور

الجہاد

دنیا میں بہت سی اقوام پائی جاتی ہیں ان کے اپنے اپنے قواعد و ضوابط بھی ہیں اور بہت سے مذاہب ہیں جن کے اپنے اپنے اصول ہیں ان میں ایک اسلام بھی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ باقی تمام مذاہب دنیا سے یکے بعد دیگرے نیست و نابود ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے مذاہب جنم لے رہے ہیں؟ لیکن ایک اسلام ہے کہ ۱۴ سو سال قبل سے لے کر آج تک جوں کا توں موجود ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس کے اصول ابدی ہیں جو کہ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک جہاد ہے جو کہ اسلام کے رگ و ریشے میں سمایا ہوا ہے جس کے بغیر اسلام کا تصور ہی نامکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز مؤرخ ڈاکٹر[1] ہنٹر D.R. HANTAR لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو جب جنگ پر ابھارنا مقصود ہو تو ان کے سامنے نعرۂ جہاد بلند کرو۔ مسلمان جب نعرۂ جہاد سنتا ہے تو پھر اس کو اپنی جان و مال اپنا نظر نہیں آتا وہ بے خوف و خطر جنگ کی آگ میں کود پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ لڑنا عقل مند آدمی کا کام نہیں ہے لیکن مسلمان باوجود اس کے کہ تمام دنیا سے اعقل ہے جہاد میں لڑنے مرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتا جب تک اپنے آپ کو جہاد کے لیے ہر وقت تیار نہ پاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے (ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ) خدا نے مومنوں سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں تو پھر کیوں نہ مسلمان اپنے آپ کو ہر وقت جہاد کے لیے تیار پائے۔ آپ تاریخ اٹھا کے دیکھ لیں آپ کو مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی قوم جانیں پیش کرنے والی نظر نہیں آئے گی۔ مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ مسلمان میدان کارزار میں تھے کہ ان کے پاس دشمنوں کا جاسوس آیا اور واپس جا کر یہ کہا کہ

---

[1] بہتر یہ ہے کہ غیر مسلم مؤرخ یا مفکروں کے اقوال اسلام کی تائید میں پیش کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ اب یہ مرعوبیت ختم ہونی چاہیے ان کو "سند" کے طور پر پیش کرنا نئی نسل کو ذہنی غلامی کے لیے زنجیریں مہیا کرنے کے مترادف ہے۔ ۱۲ (زبیدی)

آپ اس قوم سے کس طرح ٹکر لے سکتے ہیں جن کو موت اس قدر عزیز ہے جس قدر آپ کو شراب۔

صرف اسی کا نام ہی جہاد نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جن کو آپ کے سامنے لانا ضروری خیال کرتا ہوں علامہ ابن القیم جوزیہ اپنی مایۂ ناز تصنیف زاد المعاد میں رقم طراز ہیں الجہاد علی اربع مراتب جہاد چار قسم ہے۔

۱۔ جہاد النفس۔ نفس سے جہاد

۲۔ جہاد الشیطان۔ شیطان سے جہاد

۳۔ جہاد الکفار والمنافقین۔ کفار و منافقین سے جہاد۔

۴۔ جہاد ارباب الظلم والمنکرات والبدع۔ ارباب ظلم، منکرین اور بدعتیوں سے جہاد

انھوں نے جہاد النفس کے بھی چار مراتب بیان کیے ہیں۔

۱۔ ان یجاھدھا علی تعلم الھدیٰ۔ علم سیکھنے کے لیے جہاد

۲۔ علی العمل بہ بعد علمہ۔ سیکھنے کے بعد اس پر عمل کرنا۔

۳۔ علی الدعوۃ الیہ۔ اس کی طرف لوگوں کو بلانا۔

۴۔ علی الصبر علی مشاق الدعوۃ۔ لوگوں کو دعوت دیتے وقت مصائب پر صبر۔

اب ہم اس اجمال کی تفصیل علی حسب ترتیب پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حصولِ علم کے لیے جہاد

واقعی علم کو سیکھنا ایک جہاد ہے ایک طالب علم گھر کو چھوڑ کر جاتا ہے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ اساتذہ کی جھڑکیاں سہتا ہے۔ گھر والوں کی جدائی کا سامنا کرتا ہے۔ عزیز و اقارب سے دور ہوتا ہے۔ دوست و احباب بچھڑ جاتے ہیں۔ سفر میں کبھی بھوک، کبھی پیاس، کبھی دکھ کبھی درد علیٰ ہذا القیاس سبھی کچھ اگر برداشت کرتا ہے تو کیا یہ جہاد سے کم ہے اسی کی بدولت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی طالب علم گھر سے نکلتا ہے تو مچھلیاں سمندر میں، پرندے ہوا میں، درندے بن میں اس کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں اور فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ یہ صعوبتیں اور یہ خدا کی رحمتیں یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جہاد کی بدولت ہے۔

۲۔ علم پر عمل

کسبِ علم کے بعد اس پر عمل کرنا بھی جہاد ہے۔ کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ جہاں کہیں سے بھی گنجائش نکلتی ہو اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہے کہتے ہیں کہ سوئے ہوئے

کو بیدار کرنا آسان ہے جب کہ بیدار کو بیدار کرنا مشکل ہی نہیں نا ممکن ہے۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہ دنیا کے اچھے لوگ ہیں تو وہ عالم ہیں اور اگر برے ہیں تو وہ بھی عالم ہیں۔

کیونکہ عالم باعمل دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتا ہے اور اگر عالم خود ہی بے عمل ہوگا وہ خود تو ڈوبے گا لیکن دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مذہب کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے تو عالم ہے اور اگر تقویت کا باعث بن سکتا ہے تو وہ بھی عالم ہے۔ آج چونکہ عالم خود بے عمل ہیں (الا ماشاء اللہ) جس سے لوگ اور زیادہ بے راہ رو ہو گئے ہیں۔

۳۔ تیسرا مرحلہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا ہے یہ درست ہے کہ ہر عالم کے ذمے ہے لوگوں کو حق کی طرف بلانا لیکن یہ ایک عزیمت ہے یہ ہر ایک کو نصیب کہاں ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف لوگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے برسرپیکار رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا ہے تو اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کا سہرا صرف صدیقؓ کے سر ہی کیوں؟ جبکہ عمر فاروقؓ نے بھی کہہ دیا تھا "کیف تقاتلھم وھم یقولون لا الہ الا اللہ" آپ ان سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" من قال لا الہ الا اللہ عصم منی او کما قال" کہ کلمہ گو کی حفاظت ہم پر لازم ہے، یہ وہ وقت ہے کہ جب اس تعریف کا حامل (لو کان بعدی نبی لکان عمر) بھی ساتھ دینے سے انکار ہی نہیں بلکہ روک رہا ہے اس وقت اگر علم جہاد لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو وہ صدیق اکبرؓ ہی ہیں۔ دراصل یہ اس تعلیم اور اس نیاز خاص کا منطقی نتیجہ ہے جو صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ سے حاصل تھی جس کا حامل کوئی دوسرا نہ تھا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

۴۔ چوتھا مقام ہے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تکالیف برداشت کرنا اور تبلیغ دین کی راہ میں مصائب جھیلنا۔ یہ کام ہر کسی کے بس کا روگ نہیں اور ہر کوئی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر حاکم مدینہ نے جبری طلاق کو جائز قرار دے دیا ہے تو اس کے سامنے سینہ سپر ہونے والے امام مالک تھے اور پھر اس راستے میں جو جو تکالیف انھوں نے اٹھائیں وہ محتاج تعارف نہیں ہیں۔ کیا وہ وقت بھلایا جا سکتا ہے جب امام مالکؒ کو گدھے پر بٹھا کر مدینۃ الرسول میں پھرایا جا رہا تھا اور وہ پکار پکار کر اعلان کر رہے تھے "من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالک ابن انس وطلاق المکرہ لیس بجائز"

له احادیث بحوالہ بیان کرنا چاہئیں ۱۲۔ (زبیدی)

(جس نے مجھے پہچان لیا سو پہچان لیا جس نے نہیں پہچانا تو جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور جبری طلاق ہرگز جائز نہیں)

اور اگر اس کے بعد حجاج بن یوسف نے تلوارِ ستم بلند کی تو اس کے سامنے ڈٹ جانے والے سعید بن جبیرؒ ہی تھے۔ کیا اس وقت علماء کی کمی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں حق کی طرف بلانے والے خدا کی طرف بلانے والے اور بھی بہت تھے لیکن حق پر ڈٹ جانا مشقتیں برداشت کرنا صرف انہی کے حصہ میں تھا۔

نیز اگر مامون نے قرآن کو مخلوق کہا تو اس سے ٹکرانے والے احمدؒ بن حنبل ہی کیوں تھے؟ درحقیقت یہ ایک عزیمت ہے جو کسی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔ مصائب کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ آپ ایک دفعہ کہہ دیجیے (القرآن مخلوق) قرآن کلام اللہ نہیں بلکہ مخلوق ہے تو آپ کو معاف کر دیا جائے گا اور ساتھ ساتھ خلعت سے بھی نوازا جائے گا۔ یہاں ایک بات کہتا چلوں اسلام کی تبلیغ میں دو طرح کے مصائب پیش آتے ہیں۔ ایک کا تعلق جان سے ہے اور دوسرے کا تعلق ایمان سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو ان کو جان کی دھمکی دی جاتی ہے۔ طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ جب وہ مردِ آہن اس طرح قابو میں نہیں آتا تو اسے دولت کا لالچ دیا جاتا ہے حکومت کی کرسی پیش کی جاتی ہے۔ یہ وہ حربہ ہے جس سے بچ نکلنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں لیکن وہ جس نے اپنا سب کچھ خدا کے لیے وقف کر دیا ہوتا ہے اس پر نہ تو دنیا کا کوئی خوف اثر انداز ہو سکتا ہے اور نہ ہی لالچ اس کے پایۂ ثبات کو متزلزل کر سکتا ہے اور وہ ہنسی خوشی تمام مصائب برداشت کر جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ پکارتا جاتا ہے۔ ع

مصائب سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے

اور وہ اس کے ساتھ اپنے مشن کی ناکامی دیکھ کر بھی نہیں گھبراتا بلکہ وہ کوشاں رہتا ہے اور کہتا ہے

ع مجھے ناکامیوں پہ اشک برسانا نہیں آتا

کیونکہ اس کے سامنے یہ بات ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب میری محنت پھل لائے گی۔ امام احمدؒ بن حنبل پر سختیوں کے پہاڑ توڑے گئے، لالچ دیے گئے لیکن ان پر ان کے یہ تمام جال ناکام ہو کر رہ گئے۔ بظاہر ان کا مشن ناکام نظر آتا تھا لیکن ان کے یقینِ محکم اور عملِ پیہم نے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ جیت ہمیشہ حق کی ہی ہوتی ہے ذرا آدمی استقلال سے کام تو لے۔ ویسے تو امام احمد بن حنبل پہلے ہی کون سے کم ہمت تھے لیکن ایک واقعہ ان کی ہمت میں غیر معمولی طاقت کا باعث

ہوا۔ وہ یہ کہ امام صاحب کو پا بہ زنجیر لے جایا جا رہا تھا۔ راستے میں بغداد کا مشہور ڈاکو ابن الہیثم ملتا ہے وہ کہتا ہے۔ اے ابن حنبل میں ایک ڈاکو ہوں اور ہوں بھی باطل پر۔ میرے جسم پر تقریباً اٹھارہ ہزار کوڑوں کے نشان ہیں لیکن میں نے ہار نہیں مانی۔ افسوس ہے تم پر کہ حق پر ہوتے ہوئے بھی تمہارے پاؤں لرز جائیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں اس سے پہلے میری حالت گوں مگوں کی سی تھی کیونکہ مجھے بعض احباب نے مشورہ دیا تھا کہ آپ زبان سے اس کا اقرار کر لیں (کیونکہ اس کی اجازت ہے الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان) لیکن ابن الہیثم کے ملنے کے بعد میرے عزائم پختہ ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف زندگی بھر اس ڈاکو کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے۔

کیا یہ عزیمت ہر کس و ناکس کو سونپی جا سکتی تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کے بعد اگر ابن تیمیہؒ نے لوگوں کو جادۂ حق کی طرف بلایا تو ان پر کیا کچھ ستم نہیں ہوئے لیکن انھوں نے کس پامردی سے حالات کا مقابلہ کیا اس سے بڑھ کر اور کیا مقابلہ کرتے کہ موت بھی آئی تو زنداں میں؟

اسی طرح چلتے چلتے جہانگیر کے دور میں اگر یہ عزیمت کا خلعت کسی کو نصیب ہوا ہے اور جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تکالیف برداشت کی ہیں تو وہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں۔ دوسری طرف جمال الدین افغانی، حسن البناء شہید، شاہ اسمٰعیلؒ شہید، شاہ احمدؒ شہید، امام محمدؒ بن عبدالوہاب یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوششیں کیں اور ہر اس مصیبت کا مقابلہ کیا جو اس راہ میں پیش آئی۔

اور اسی طرح علمی میدان میں صحابہ کرامؓ کے بعد محدثین عظام نے اگر تکالیف برداشت کی ہیں تو وہ انہی کا خاصہ تھا اور ہندوستان میں اگر شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان اس میں پیش پیش رہا ہے تو وہ ان ہی کے شایانِ شان تھا۔ کیا یہ وہی نہیں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان پر کیا کچھ ستم نہیں ہوئے۔ کفر و ارتداد کے فتوے لگائے گئے تھے۔ طرح طرح سے تنگ کیا گیا آخر یہ کیوں؟ ابن حنبل نے کوڑے کھائے تو کیوں؟ بخاری کو ترکِ وطن کرنا پڑا تو کس لیے؟ شاہ اسمٰعیل کو شہید کیا گیا کس وجہ سے؟ سید عبداللہ غزنوی کو غزنی سے ہجرت پر کیوں مجبور کیا گیا؟ ان لوگوں کا کیا جرم تھا؟ صرف یہی نا کہ وہ اسلام کے بلند کرنے والوں میں سے تھے دراصل بات یہ ہے کہ مسلمان کا مقصدِ حیات ہی انھیں مصائب کو جھیلنا ہے کیونکہ اس کے بغیر خدا کی خوشنودی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

یہ اس لیے کہ مسلمان کے لیے یہ عین حیات ہے۔ اس میں مسلمان کو راحت ملتی ہے۔ اس سے

خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔ اس سے دنیا اور آخرت میں سرخروئی ملتی ہے۔ اسی میں کمالِ زندگی ہے۔ یہ تو تھا جہاد النفس اس کے بعد جہاد الشیطان ہے۔ جس کے دو مراتب ہیں۔

۱۔ مجاہدہ علی دفع ما یلقی من الشبہات (شیطان کے شکوک و شبہات سے بچنا)

۲۔ علی دفع ما یلقی من الشہوات (شہوات سے بچنا)

شیطان انسان پر دو طرح کے حملے کرتا ہے۔ پہلا حملہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام کے بارے میں متذبذب کرتا ہے۔ آدمی کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حملہ اس کا اتنا سخت ہوتا ہے کہ بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اس سے بچنے کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ ہے یقینِ کامل جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس آئے تو آپ نے قریشِ مکہ سے اپنے آسمان پر جانے اور راتوں رات واپس آنے کا واقعہ بیان کیا تو اس وقت ابوجہل نے منصوبہ سوچا کہ یہ بہت اچھا وقت ہے جس سے ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ سے بدظن کیا جا سکتا ہے تو اس وقت اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ شیطان صفت صدیق اکبرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے سردار کیا آپ کی عقل تسلیم کرتی ہے کہ ایک آدمی رات ہی رات میں بیت المقدس جائے اور واپس بھی آجائے؟ انھوں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے کہا جو آدمی یہ دعویٰ کرے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا میں اس کی بات ہرگز تسلیم نہیں کروں گا تو جھٹ سے ابوجہل بولا وہی جس کو آپ اپنا رہبر مانتے ہیں اس نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فرمانے لگے کیا واقعی؟ اس نے کہا ہاں واقعی۔ تو آپ نے فرمایا پھر یہ سچ ہے۔ فبہت الذی کفر (کافر ذلیل ہو گیا)

یہ کیا تھا یہ یقینِ کامل ہی تھا جو ابلیس کے اس حملے کو رد کرنے کا سبب بنا۔ یہ شیطانی حملہ ہی تو ہوتا ہے جو کہ انسان کو اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ خدا کا انکار کرے۔ انسان کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی ذات تمام دنیا کی صانع ہو اور وہ بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جس کا شکار آج کل کا ماڈرن طبقہ ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ ہاتف سے آواز آئی "عبدالقادر میں نے تیرے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں اب تجھے عبادت کی ضرورت نہیں" یہ ایک ایسا شبہ تھا اگر خدا پر یقینِ کامل نہ ہو تو اس سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ شیخ صاحب نے سوچا کہ خدا نے تو اپنے

نبی کو بھی عبادت سے منع نہ کیا (کیونکہ عبادت میں ہی اللہ کی خوشی ہے) تو فوراً لاحول پڑھا۔ شیطان بھاگ کھڑا ہوا ـــ اور جاتے جاتے ایک اور حملہ کر دیا کہنے لگا "عبدالقادر تجھے تیرے علم نے بچا لیا ہے۔

آپ نے فوراً جواب دیا نہیں بلکہ مجھے میرے خدا نے تیرے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ تھا یقین کامل کہ اللہ تعالیٰ کا وطیرہ ہی یہ نہیں ہے کہ کسی کو عمل سے منع کرے اور یہی یقین کامل شیخ کو شیطان کے حملے سے محفوظ رکھنے کا سبب بنا۔ شیطان کا دوسرا حملہ انسان کو خواہش پرست بنانا ہوتا ہے۔ جس سے بچنے کے لیے صبر کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے (وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا باٰيٰتنا يوقنون) چونکہ انبیاء دنیا کے رہبر بن کر آتے ہیں جن پر شیطان کے حملے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے تو خدا نے اسی لیے ان میں صبر کا مادہ زیادہ رکھا ہوتا ہے اور پھر اس میں تفاوت ہوتا ہے۔ جس قدر کسی نبی کا مقام و مرتبہ بلند ہوتا ہے اسی قدر اس میں یہ مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا (اِنَّهٗ اَوَّابٌ) خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔ یعنی جس میں جس قدر صبر ہے وہ اسی قدر ہی خدا کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ الحاصل خدا کی طرف رجوع کرنے والے پر شیطان کا حملہ کارگر نہیں ہو سکتا اور خدا کی طرف رجوع صبر کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ کیا صبر کے بغیر انسان دنیا کی رنگینیوں سے باز رہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صبر کے بغیر انسان نہ تو دنیا کے لہو ولعب سے باز رہ سکتا ہے اور نہ ہی شیطان کے حملوں سے بچ سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صبر اور یقین سے مسلح ہو کر ہی انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اس سے جہاد کر سکتا ہے اس کے بغیر یہ ناممکنات میں سے ہے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے جس سے مفر انسان کے بس کا روگ نہیں۔

۳۔ تیسرا جہاد کفار و منافقین سے ہے جس کے چار مراتب ہیں۔

دل و زبان، مال و جان۔

دل کے ساتھ جہاد سے مراد یہ ہے کہ کسی میں برائی دیکھی لیکن روکنے کی طاقت نہیں تو دل ہی دل میں البغض فی اللہ کے تحت اس سے دشمنی رکھنا جہاد مع القلب کہلاتا ہے۔ زبان کے ساتھ جہاد سے مراد یہ ہے کہ جب کسی میں برائی دیکھے تو اسے منع کر دے۔

مال کے ساتھ جہاد ـــ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ مال کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی پایۂ تکمیل کو نہیں

پہنچ سکتا اور انسان کے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے مال کی ہی طلب ہوتی ہے۔ اگر کوئی دنیا میں عزت کا متلاشی ہے تو اسے بھی مال ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ مال انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اسی مال کے لیے انسان اپنا ضمیر تک فروخت کرنے سے گریز نہیں کرتا اور یہی مال ہے جس کے لیے انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے۔ لیکن یہی مال انسان کو خدا کے ہاں سرخرو کرنے میں معاون بنتا ہے گویا کہ یہ مال انسان کے لیے کبھی تو جنت کا سامان مہیا کرتا ہے اور کبھی جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔

جہاد مع المال فرض ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ پیاری چیز دینے سے انسان عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے چونکہ مال انسان کو بہت عزیز ہے اس لیے اس کو دینے کا حکم ہوا۔

جہاد مع النفس۔ تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کیونکہ جب کوئی شخص کلمہ پکارتا ہے تو اس کا مال و جان سب خدا کے ہو جاتے ہیں تو خدا کی چیز خدا کو دی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ جب کہ اس کے بدلے میں جنت کا ٹکٹ بھی مل رہا ہو۔

میرے خیال میں یہ سودا کچھ مہنگا نہیں۔

۴۔ المرتبۃ الرابعۃ۔ چوتھا درجہ جہاد کا یہ ہے کہ آمرِ وقت کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر)

جس کی مثال اگر دیکھنا مقصود ہو تو سعید بن جبیرؒ، مالک بن انسؒ، احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ، ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ، جمال الدین افغانی، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، اور دورِ حاضر کی مذہبی دنیا کی نامور شخصیتوں کی سوانح حیات اٹھا کر دیکھ لو۔

یہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے جابروں کے سامنے کلمۂ حق کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان میں سے کئی تو وہ ہیں جنھوں نے اربابِ ظلم سے مقابلہ کیا اور بعض وہ ہیں جنھوں نے منکرین اور مبتدعین سے ٹکر لی اور اس طرح کلمۂ حق سنا کر جہاد کا حق ادا کیا۔

ابن جبیرؒ کو حجاج کے سامنے لایا جاتا ہے۔ حجاج سوال کرتا ہے۔

تیرا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب ملتا ہے۔ انت العادل القاسط۔ لوگ خوش ہوتے ہیں کہ ابن جبیرؓ نے حجاج کی تعریف کر دی ہے شاید اس کی جان بچ نکلے۔ لیکن حجاج سوچتا ہے اور حاضرین سے سوال کرتا ہے کہ اس نے میرے متعلق کیا کہا ہے؟ حاضرین جواب میں کہتے ہیں سرکار اس نے آپ کی تعریف کی ہے۔ حجاج غصے سے بھر جاتا ہے اور کہتا ہے تف ہے تمہاری عقل پر اس نے تو مجھے جہنمی کہا ہے کیونکہ عادل کے یہ معنی بھی ہیں کہ خدا کی حدود پامال کرنے والا اور قاسط کے معنی ہیں جہنم کا ایندھن۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں کہا ہے (واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا) کہ قاسط جہنم کا ایندھن ہیں۔

اسی طرح شاہ بخاری کے پاس انگریز حکومت کا سیکرٹری آتا ہے اور پوچھتا ہے کوئی خدمت میرے لائق ہو تو فرمائیے۔

سید عطاء اللہ فرماتے ہیں خدا کے سوا کسی سے کچھ مانگنا میرے مسلک میں کفر ہے۔ پھر وہ سوال کرتا ہے تمہیں محبت کس چیز سے ہے؟ جواب ملتا ہے قرآن سے۔ پھر وہ سوال کرتا ہے اور دشمنی کس سے ہے؟ جواب آتا ہے انگریز سے۔ فبھت الذی ....

اگر شورش کو پیشاب کے گڑھے میں غوطے دیے گئے تو کس وجہ سے؟ اس کی کیا خطا تھی؟ یہی نا کہ اس نے باطل کے سامنے کلمۂ حق کہا تھا۔ اس نے انگریز کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا اور اگر زندگی بھر زنداں میں رہنا پڑا تو کیوں؟ اس لیے کہ اس نے ہر جابر کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا تھا۔

یہ ہے افضل الجہاد۔ خدا ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ تاکہ ہم بھی خدا کے سامنے سرخرو ہو سکیں۔ (آمین ثم آمین)

MUHADDIS
Regd. No. L. 7895